دبستانِ بہرائچ

شمیم اقبال خاں

ضلع بہرائچ کے بارے میں

سطح سمندر سے بلندی: 126 میٹر یعنی 413 فٹ اور 63.4 انچ

لیٹی چیوٹ: 27.4 & 28.24؛

لانگی چیوٹ: 81.3 to 81.65 (مشرق)

رقبہ: 696.8 sq km.

کل آبادی (۲۰۱۱ء) 3478257 (مرد 1838988، عورت 1639269)

تحصیل اور بلاک: تحصیل **4** (بہرائچ، قیصر گنج، نان پارہ اور مہسی)

تعلیمی ادارے (سرکاری): اسکولوں کی تعداد۔2290 (پرائمری: 1889، اپر پرائمری اسکول: 315، سکنڈری اسکول: 39 ر، ہائر سکنڈری اسکول: 47) غیر سرکاری: لاتعداد۔

موسم: حرارت زیادہ سے زیادہ 44 ڈگری اور کم سے کم 5 ڈگری سینٹی گریڈ۔ موسم گرم اور نمی والا رہتا ہے۔ سال کی اوسط بارش 1125 ملی میٹر ہے۔

مٹی: کاشتکاری کے نظریہ سے یہاں کی زمین اپجاؤ ہے۔ دومٹ، مٹیاری، بلوہی اور ہلکی دومٹ، مٹی کی قسمیں ہیں۔ مٹی کے اپجاؤ ہونے کی وجہ سے ضلع ہرا ابھرا رہتا ہے۔

زمینی پانی: زمین کے اندر کے پانی کی حالت بہت مناسب ہے۔ تقریباً ساٹھ یا ستر فٹ کی گہرائی میں پانی کی سطح مل جاتی ہے۔ اس لیے بہرائچ میں کاشتکاری اور دیگر انڈسٹری کے لیے پانی کی کمی نہیں ہے جو ٹیوب ویل اور پمپنگ سِٹ سے حاصل کیا جاتا ہے۔

معدنیات: یوں تو بہرائچ کا معدنی ذخیرہ نہ کے برابر ہے لیکن جنگلات یہاں کے معاشی ترقیاتی کاموں میں بہت معاون ہیں۔

جنگلی خزانہ: ریونیو محکمہ کے ۱۹۹۴ء کے دستاویز کے مطابق '959540' ہیکٹر زمین گھنے جنگلوں سے گھرا ہوا ہے۔ ساگون، شیشم اور خیر وغیرہ کے پیڑ کثرت سے پائے جاتے ہیں۔ اسی وجہ سے 'کتھہ' کا کارخانہ ضلع کے مہین پوروہ بلاک میں لگا ہوا ہے۔ تعمیراتی کاموں میں اور فرنیچر میں استعمال ہونے والی لکڑیاں یہاں سے ملتی ہیں۔ آم اور امرود کے پیڑ کثرت سے پائے جاتے ہیں۔ ۱۔ چکیہ، ۲۔ سجولی، ۳۔ نشان گاڑا، ۴۔ مہین پوروہ، ۵۔ بچھیا، ۶۔ بگھولی بہرائچ کے خاص جنگل رینج ہیں۔

ooOoo

اپنی بات

ہے یہاں صبح بنارس اور اودھ کی شام بھی
اتحاد و امن کا دیتاہے یہ پیغام بھی
غازیؒ و گوتم سے وابستہ ہے اس کا نام بھی
یہ عقیدت کا چمن بھی اور تیرتھ و دھام بھی

موجزن عرفان کا اک دریا بہرائچ میں ہے
نور حق سے ضو فشاں ہر ذرہ بہرائچ میں ہے
(شمیم)

یہی بہرائچ سطح سمندر سے ۱۲۶ ر میٹر یعنی ۴۱۳٫۴ ر فٹ اور ۴۹۶٫۳ ر انچ کی اونچائی پر بسا ہے۔ ضلع بہرائچ کا روحانی، سیاسی اور ادبی ماحول بھی اور جگہ سے بڑھ چڑھ کر ہی رہا ہے۔ یہ کتاب ضلع بہرائچ کے شعرا حضرات سے متعلق ہے۔ مارچ ۲۰۱۱ء میں دیوانِ شوق 'طوفان' شائع ہوا جس پر مختلف ارباب ادب واہلِ علم حضرات (پروفیسر سید طاہر محمود صاحب، ڈاکٹر اشفاق محمد خان صاحب، احمد ابراہیم علوی صاحب، عبدالقدوس قادری صاحب وقطب اللہ صاحب) کے تبصرے شائع ہوئے۔ اس کام کو سبھی نے پسند کیا۔ ہمت افزائی ہوئی جس کے نتیجہ میں 'دبستانِ بہرائچ' کا باب کھولا گیا اور ایک خاکہ اس طرح کا تیار کیا گیا جس میں گزشتہ اور موجودہ شعراء حضرات کی ذاتی اور ادبی تفصیل سمو سکے تاکہ ان شعرا حضرات کا کلام جو بکھرا ہوا ہے یا نظروں سے اوجھل ہو گیا ہے اس کو ایک دستاویز کی شکل دے کر محفوظ کر دیا جائے اور ادب سے لگاؤ رکھنے والی آئندہ کی نسلیں اس سے فیضیاب ہو سکیں۔

افسوس ہے بہت کم لوگوں نے اس طرف توجہ دی اور کئی لوگوں نے بڑی مشکلوں اپنی تفصیلات بھیجیں۔ میں شکر گزار ہوں محترم ڈاکٹر عبرت صاحب کا اور خالد محمود صاحب کا جن کی کوششوں سے کئی لوگوں کی تفصیلات موسول ہوئیں۔ خاص طور سے میں شاہ نواز خاں صاحب کا ذکر کرنا چاہوں گا۔ ان کا تعلق نانپارہ سے ہے مگر محکمہ ریل کی ملازمت کی سبب ضلع

نمونہ کلام

قطعات

١

درود پڑھتا ہوں پہلے میں باوضو ہوکر پھراس کے بعد میں نعتِ رسول لکھتا ہوں
وہ سارے لفظ ستاروں سے جگمگاتے ہیں میں نعت نورِ مجسم میں جنکو رکھتا ہوں

☆☆☆

٢

جن و بشر ملائکہ سورج ستارے چاند پرواز پر حضور کی حیران ہیں سبھی
آدم سے لیکے عیسیٰ تلک سارے انبیا شاہِ اُمم کی شان پہ قربان ہیں سبھی

☆☆☆

٣

خیالوں میں بسا رہتا ہے ہردم گنبدِ خضرا جو بے شک عالمِ انسانیت کی راجدھانی ہے
بدن میرا نظامِ وقت کا پابند ہے لیکن مرے دِل پر محمد مصطفےٰ کی حکمرانی ہے

☆☆☆

٤

ہندی ہمارے ملک کی قومی زبان ہے اردو زباں بھی دوستو! بھارت کی شان ہے
دونوں سے پیار کرتے ہیں شاعر، کوی، ادیب یہ ہے 'شکنتلا' تو وہ 'امراؤجان' ہے

☆☆☆

٥

بھرا تھا نفرت و بغض و حسد سے دِل اُسکا میں اُس میں تھوڑی محبت بھی ڈال آیا ہوں
وہ میرے قتل کا منصوبہ لے کے نکلا تھا میں اُس کے پاؤں کا کانٹا نکال آیا ہوں

٦

فطرت ہی نہیں دونوں کی، خصلت بھی ہے یکساں　　اب سانپ اور انساں میں کچھ انتر ہی نہیں ہے
ہاں سانپ کا کاٹا ہوا بچ سکتا ہے لیکن　　انسان کے کاٹے کا تو منتر ہی نہیں ہے

☆☆☆

غزل

٧

مہکتے پھول کی خوشبو فضا میں گھول کر دیکھو　　سماعت جھوم اُٹھے گی تم اردو بول کر دیکھو
شکر سے بھی زیادہ میٹھے ہیں الفاظ اُردو کے　　زبانِ میرؔ سے تم کان میں رس گھول کر دیکھو
وہ دشمن ہی سہی لیکن، ہے آخر آدمی وہ بھی　　کبھی تم نرم لہجے میں بھی اُس سے بول کر دیکھو
غزل کی پلکوں پر جو اشک ہیں شبنم کے قطروں سے　　اُنہیں ہیرے، جواہر، موتیوں میں تول کر دیکھو
ہے جس کا دعویٰ کہ وہ ظاہر و باطن میں یکساں ہے　　اسے سچّائی کے میزان پر بھی تول کر دیکھو

ooOoo

سید خالد محمود

۱۹۴۳ء

جائے پیدائش: لکھنؤ، یو. پی.

والد: جناب سید محمود حسن صاحب　　　والدہ: محترمہ بیگم منور جہاں صاحبہ

تاریخ ولادت: ۱۷ر دسمبر ۱۹۴۳ء مطابق: ۱۶ر محرم ۱۳۶۵ھ
تعلیم: ایم. ایس. سی (باٹنی) ایم. اے. انگلش　　مشغلہ: درس و تدریس
تخلیقات:

نمبر	نام کتاب	سنہ اشاعت	تفصیل کتاب
۱)	نثری کاوش	۱۹۸۹ء	اردو اکیڈمی لکھنؤ کے مالی اشتراک سے طبع (۱۵ر مقالات پر مشتمل)

۲)	نثری زاویے (ایوارڈ یافتہ)	۲۰۰۱ء	قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان کے جزوی مالی تعاون سے طبع ۲۴ مضامین جو تبصرے اور مقالے پر مشتمل ہے۔
۳)	نثری جہتیں	۲۰۰۷ء	نثری کاوشوں کا ہمہ جہت و رنگارنگ مجموعہ (۵۷؍مضامین پر مشتمل)
۴)	نثری خوشے (ایوارڈ یافتہ)	۲۰۱۰ء	قومی کونسل برائے فروغ اردو زباں، نئی دہلی کے مالی اشتراک سے شائع۔
۵)	شعری کاوش	غیر مطبوعہ	شعری مجموعہ۔(اتر پردیش اردو اکیڈمی میں داخل ہے)
۶)	میرا ہندی لیکھن	غیر مطبوعہ	ہندی تحریروں کے مجموعہ۔(اتر پردیش ہندی سنستھان میں داخل)

انعام واعزاز:

۱) اتر پردیش اردو اکیڈمی سے ''نثری زاویے'' پر دو ہزار روپے نقد و توصیفی سند۔
۲) قومی کونسل برائے فروغ اردو، نئی دہلی ''نثری خوشے'' پر پانچ ہزار روپے نقد و توصیفی سند۔
۳) حیات اللہ انصاری فاونڈیشن سے مجموعی ادبی خدمات کے لیے ''حیات اللہ انصاری اوارڈ'' برائے سال ۲۰۰۹ء۔
۴) انجمن فروغ ادب بہرائچ کی جانب سے ''پچیس سالہ ادبی خدمات'' کے اعتراف میں خصوصی اعزاز ۲۰۰۳ء۔
۵) نیپالی ٹیچرس اسوسی ایشن کاٹھمانڈو کی طرف سے پچیس سالہ ''درس و تدریسی انعام''۔
۶) تربھون یونیورسٹی میں تعلیمی میدان میں لمبی خدمات پر تمغہ و سند۔
۷) فاروق احمد میموریل ''عارف نیپالی اوارڈ'' برائے تیس سالہ خدماتِ اردو برائے نیپال۔
۸) نگر پالکا پریشد بہرائچ کے ذریعہ آراستہ پروگرام یوم جمہوریہ پر ''کاویہ شری'' اعزاز۔

۹) انجلی مہیلا سیوا سنستھان بلرام پور کی طرف سے ''عظیم ادیب'' اعزاز۔
۱۰) قومی ایکتا سوسائٹی کی جانب سے ''سرسید اعزاز'' برائے خدمات تعلیمی خدمات واردو ادب۔
۱۱) ادبی تنظیم انجمن شیدائے رسول کی جانب سے اعزازی سند۔

مکمل پتہ: محمود حسن ہاؤس، قاضی پورہ، بہرائچ، یو. پی.
موبائل: 9919635659

تعارف

سید خالد محمود، علی گڑھ کی تہذیب سے مزین، اعلی تعلیم سے آراستہ، قابل باپ کی تربیت سے سرفراز ایک باوقار وادب شناس شخصیت کا نام ہے۔

بہرائچ کی ادبی محافل کے روح رواں شعراوادبا کو ایک پلیٹ فارم پر جمع کر کے ان کو مقتدر ہستیوں سے روشناس کرانے کے فن میں ماہر خالد صاحب ادبی سرگرمیوں میں ہمہ تن منہمک رہتے ہیں۔ موصوف کے والد محترم سید محمود حسن صاحب مرحوم مشہور ومعروف وکیل تھے اوران کو عربی فارسی اور انگریزی زبانوں پر دسترس تھی۔ تربھون یونیورسٹی نیپال میں باٹنی کے سابق ریڈر خالد صاحب کی شخصیت محتاج تعارف نہیں۔ موصوف کئی اعزازات سے نوازے جا چکے ہیں۔ ان کے والد ماجد اور سارے برادران علیگ رہے ہیں اوراعلی عہدوں پر فائز ہیں۔ خالد صاحب کی علم دوستی ادب شناسی اور ادب نوازی کا نتیجہ ہے کہ عرصئہ دراز سے محمود حسن ہاؤس سخنوروں اور ادیبوں کی آماجگاہ بنا ہوا ہے۔

خالد صاحب بیک وقت مضمون نگار، مقالہ نگار، سپاسنامہ نگار اور تبصرہ نگار ہیں۔ انہوں نے استقبالیے اور تہنیت نامے بھی لکھے ہیں۔ ان کی نثر میں اکثر شاعرانہ انداز بھی پایا جاتا ہے جو کہ انکے جمالیاتی ذوق (Aesthetic Sense) کا آئینہ دار ہے۔ ان کی نثر

فصیح و بلیغ اور مرصع ہوتی ہے۔ ساتھ ہی ساتھ اس میں سلاست و روانی پائی جاتی ہے۔ ان کے یہاں الفاظ کی فراوانی ہے۔ متعدد مضامین، مقالے، تبصرے، سپاسنامے اور استقبالیہ احاطۂ تحریر میں لا چکے ہیں۔ زبان و ادب کی خدمت انکی طبیعت ثانیہ ہے۔ ان کی چار تصانیف زیورِ طبع سے آراستہ ہوکر منظرِ عام پر آچکی ہیں اور ایک شعری مجموعہ زیرِ طبع ہے۔

ان کے یہاں جو چیز ہے اعلیٰ درجہ کی ہے، معیاری ہے اسی لیے انہوں نے کم عرصہ میں حلقۂ ادب میں اپنی مستقل جگہ بنا لی ہے اور قلیل مدت میں اپنی علمی استعداد اور نثری صلاحیتوں کا ادب نواز حضرات کو احساس کرا دیا ہے۔ کوئی شاعر یا ادیب اپنے گرد و نواح کے ماحول سے متاثر ہوئے بنا نہیں رہ سکتا۔ خالد صاحب بھی قوم کا درد اور عوام الناس کا کرب شدت سے محسوس کرتے ہیں۔ ان کے نمونۂ نثر و کلام کے بارے میں اتنا ہی کہنا کافی ہے کہ ؎ 'مشک خود گوید نہ کہ عطار می گوید'۔

قمر گونڈوی ان کے فکر و فن پر یوں روشنی ڈالتے ہیں:۔

''........خالد محمود صاحب میری دانست میں ایسے منجھے ہوئے جمالیاتی مزاج کے ناقد و تبصرہ نگار ہیں جنکی نگارشات میں حقیقی جلوہ فشانیاں ایمان اور یقین کی جھلک نظر آتی ہے۔ خالد صاحب شخصیت پرست نہیں ہیں........''

پروفیسر ملک زادہ منظور احمد صاحب کے الفاظ میں:۔

''جناب خالد محمود بنیادی طور پر سائنس کے طالب علم رہے ہیں اور ادب سے انکی دلچسپی محض ان کے اپنے جذبہ و شوق کی بات رہی ہے مگر میرا خیال یہ ہے کہ ان کے سائنسی اکتسابات نے ان کے ایک اچھے ادیب ہونے میں بہت بڑا کردار ادا کیا ہے۔ ان کی نثر میں نہ تو وہ تطویل لاطائل ہے جو بات کا بتنگڑ بناتی ہے اور نہ وہ ایجاز مخل ہے جو مفہوم کو قاری پر واضح ہونے نہیں دیتی۔ ان کے سائنٹفک مزاج نے انھیں اُس بے راہ روی سے بچا لیا ہے جو عموماً ادب کے طالب علموں میں نظر آتی ہے مواد انداز تحریر سے ہم آہنگ ہوکر ایک اکائی

میں تبدیل ہو گیا ہے۔ متین اور سنجیدہ نثر نگاری جس میں مصنف کی ذات شامل ہو کر روشنی کو بڑھا دیتی ہے، خالد محمود کا طرۂ امتیاز ہے۔''

خلوص کار/ انجم صدیقی'

نمونۂ کلام

۱

دِل فسردہ ہے، سنو کوئی غزل	خوب ہی کرتی ہے، دلجوئی غزل
چھ دسمبر کے غموں سے ٹوٹ کر	خوب ہی دِل کھول کر روئی غزل
تھے رواں نوک قلم سے لفظ لفظ	آنسوؤں سے ہم نے جب دھوئی غزل
چشم آہو، سر و قد، زلف سیاہ	اسکے سرتاپا میں یوں کھوئی غزل
کچھ پریشاں ہو، چلو پھر سے سنیں
خالد محمودؔ کی کوئی غزل

قطاعت

عقل و دانش وعلم کا پیکر انساں ایک مثالی تھا	اردو ادب پر پوری قدرت، باغِ زباں کا مالی تھا
اردو کی تاریخ پڑھائی چار کتابیں کیں تصنیف	اس کی نثر میں اردو زندہ جس کا نام خیالیؔ تھا

☆☆☆☆

اک اک شعر سے خوشبو آئے اور دکھاوے جادو بھی	جس کا نام وفاؔ تسلیمی، یاد دلاتی اردو بھی
شیری کلامی، صدق و صفا اور حسن تکلم سکھلایا	ذکر جہاں بھی ہوگا وفاؔ کا بول اُٹھے گی اردو بھی

☆☆☆☆

۲

سال نو کی آمد پر

اے خدا! کردے عطایوں سال نو
جو بچھاوے آپ کی خوشیوں کے جال
زندگی کی کلفتیں لیکر گزشتہ سال کا سورج ہو مغرب میں غروب
اور پھر مشرق سے نکلے آپ کی خوشیوں کا روشن آفتاب
ظلمتیں ہوں زندگی کی ختم چھوٹیں سب ملال
کالعدم ہو جائیں ساری الجھنیں
زندگی کی رہگزر ہو پر سکوں اور حاصل برکات وخیر
ہو شریکِ زندگی اپنی مثال
گامزن لخت جگر ہو دین و دنیا کی رہ پر کیف پر ہو ماہ و سال
نور چشمی باہنر اور باکمال
مطلع نو دوست کے اخلاص سے بھر پور ہو
سال نو پُر نور ہو
عظمتیں لائے طلوع صبح نو
اے خدا کردے عطایوں سال نو

۳

زندگی سے موت بہتر، تھا یہ ایمان حسینؑ آج تک ہے موت زندہ، ہے یہ فیضانِ حسین
قیصر و قصریٰ کی سطوت، گو ہر قارون و روم سرد کر دیتی ہے سب کی شان کو شانِ حسین
یوں پیا جامِ شہادت، موت زندہ ہو گئی آج تک ہے کل بنی آدم پہ احسانِ حسین
درمیانِ حق باطل فرق سمجھایا گیا ہے سبق......نوعِ انسانی کو فرحانِ حسین
ہے حدود و فکر انسانی سے باہر اس کی ذات یوں لگاتی ہے گلے سے موت کو جانِ حسین

۴

ہر غزل میں میری گوشہ ہے الگ منفرد اشعار، لہجہ ہے الگ
روبرو یا ہم سخن کچھ بھی نہیں بس تصور میں ہی آنا ہے الگ
کتنے ہی دیپک جلیں ہر تان پر تیری آوازں کا شعلہ ہے الگ
ہر جگہ ہر لمحہ ہوتی ہے کشید پر تری آنکھوں کی صہبا ہے الگ
بھر نہ پائے گا مرا اک زخم بھی میرے زخموں کا مسیحا ہے الگ
خالد محمودؔ تیری بزم میں خوش کلامی کا سلیقہ ہے الگ

منظور حسن (منظورؔ بہرائچی)

۱۹۷۴ء

جائے پیدائش: محلّہ قاضی کٹرہ، ضلع بہرائچ، یو. پی.

والد: جناب محمد عمر صاحب　　**والدہ:** محترمہ رشیدہ بیگم صاحبہ

تاریخ ولادت: ۱۵؍ اگست ۱۹۷۴ء مطابق: ۲۵؍ رجب ۱۳۹۴ھ

تلمیذ: جناب محمودؔ حسانی　　**استاد کا پتہ:** محلّہ قاضی کٹرہ، ضلع بہرائچ

تعلیم: بی. اے.　　**مشغلہ:** درس و تدریس

انعام و اعزاز: حامد بہرائچی اوارڈ و دیگر ادبی اعزازات

مکمل پتہ: محلّہ قاضی کٹرہ، بہرائچ، یو. پی.

موبائل: 8601181453

گونڈہ میں رہائش ہے۔انہوں نے اپنے ہاتھوں سے نانپارے کے کئی شعرا حضرات کی تفصیلات روانہ کی ہیں۔اس بات کا افسوس ہے کہ جرول سے کسی کی نمائندگی نہیں ہو سکی۔

مولانا سید ظفر مہدی اثیمؔ جرولی، مولوی ضامن علی خاں انیقؔ بہرائچی، مولانا سید سجاد حسین طورؔ نانپاروی، مولانا سید اکبر مہدی سلیمؔ جرولی، سید حیدر مہدی شمیمؔ جرولی، علامہ سید فضل مہدی نسیمؔ جرولی، سید علی حیدر دلؔ جرولی، سید اصغر زیدی اصغرؔ نانپاروی، مولوی محمد شفیعؔ حیدر رضا، سید ہدایت حسین زیدی قمرؔ، بابا جمال الدین جمالؔ، محمد یار خاں رافتؔ، مرتضی حسین ماہؔ نگروری، ڈاکٹر نعیم اللہ خاں خیالیؔ، بابو لاڈلی پرشاد حیرتؔ، علامہ ضو نانپاروی، نعمت اللہ نعمتؔ بہرائچی، سورج نرائن آرزو، پارس ناتھ بھرمرو غیرہ مرحوم شعرا ہیں جو اپنے وقت کے نامور شعرا میں گنے جاتے تھے اور بہت سے شعرا جو بہ قید حیات ہیں اور اس کتاب میں انکا ذکر نہیں ہو پایا ہے۔اہل بہرائچ کے چاہنے پر، اگر تفصیل ارسال کرتے ہیں تو 'دبستانِ بہرائچ' کا دوسرا حصہ شائع کرایا جا سکتا ہے۔

قارئین کی آراء اور مفید مشوروں کا انتظار رہے گا۔

میں شکر گزار ہوں واصف فاروقی صاحب کا جنہوں نے پیش لفظ بھی لکھا ساتھ ہی ساتھ مضامین اور کلام کی نوک پلک سیدھی کر کے اسے معتبر بنایا۔

لکھنؤ: ۱۸/نومبر ۲۰۱۳ء

شمیم اقبال خاں

تعارف

استاد اور شاگرد کے رشتے صدیوں صدیوں پرانے ہیں۔شاگرد کبھی کبھی استاد کو مایوس بھی کر دیتے ہیں اور زیادہ تر استاد اپنے شاگرد کے بڑھتے قدم پر ناز کرتے ہیں۔منظور بہرائچی دوسری نوعیت کے شعراء میں شمار ہوتے ہیں۔اپنے عم زادے حضرت محمودؔ حسانی کے شاگرد ہیں۔یہ معروف استادِ سخن اپنے ہمنام مداح رسول حسان بن ثابت انصاری سے اپنے شعری رشتے استوار ہونے پر فخر محسوس کرتے ہیں۔

منظور بہرائچی کے تین میدان عمل ہیں۔یہ تینوں آپس میں مماثلت کے ساتھ ساتھ منظور کی ممارست سے بھی اچھے نتائج اخذ کرتے ہیں۔ایک سنجیدہ شاعر،حسب ضرورت مشق نثر،اوران دونوں کے اثرات لیے میدان صحافت میں بھی رقمطرازی کرنا، دراصل یہ تینوں ایک دوسرے کے مرھون منت ہونے کے ساتھ ساتھ لازم وملزوم بھی ہیں۔

۱۹۷۰ء میں محلّہ قاضی کٹرہ میں وارد جناب محمد عمر صاحب اور رشیدہ بیگم کے بیٹے منظور حسن کسان ڈگری کالج سے بی.اے.کرنے کے ساتھ ساتھ اپنے استاد کے راستے حضرت حسان کے ذوق اردو ادب میں جلدی ہی معروف ہوتے گئے۔بارہ سال کی عمر آٹھویں درجے کے متعلم نے شعروشاعری کا جو قدم اُٹھایا تو سیدھے سادے شعروں میں گھریلوں نشستوں میں جگہ بنائی اور سردست محلّہ سالارگنج کے معروف تعلیمی ادارے دارالعلوم مسعودیہ مصباحیہ حسیاری مسجد میں درس وتدریس سے وابستہ ہیں۔خداداد ثقل سماعت کی تلافی کے بطور ذہن واضح،گفتگو نرم لیکن جستجو گرم ہے۔مشاعروں کے اسٹیج پر ہلکے ترنم کے ساتھ لمبی بحر کے کئی اشعار میں اس شعر نے شہرت میں اضافہ کیا۔

نہ تو شیخ جی کی تلاش ہے نہ تو پارسا کی تلاش ہے
جو جگادے نیند سے قوم کو اسی رہنما کی تلاش ہے

خاموش طبع خصلت لفظوں کو جوڑنے کا ہُنر خوب جانتی ہے۔ چنانچہ ذوق صحافت کا مظاہرہ روزنامہ صحافت، اپنا اخبار، جدید مرکز، کبیر ٹائمس وغیرہ نے آپ کی تخلیقات کو جگہ دی اور پھر ہفتہ وار نئی دنیا، روزنامہ راشٹریہ سہارا، ناگری میگزین، ماہنامہ گلابی کرن نے بھی ہاتھوں ہاتھ لیا۔ ہمت افزائی تب ہوئی جب انجمن مداح رسول بمبئی کی جانب سے نعتیہ کلام پر اور ضلع بار ایسوسی ایشن بہرائچ کی جانب سے بھی ایک ایوارڈ حاصل کیا۔ ریڈیو ایف. ایم. نیپال ٹی وی رو برو کلام نشر کیا۔ اور منظور یہ کہتے ہوئے آگے بڑھتے رہے کہ ؂

پہونچنا ہے منظورؔ منزل پہ جن کو
وہ کب راہ کے پیچ و خم دیکھتے ہیں

لیکن ساتھ ہی ساتھ اپنے ہم عصروں کو یہ بھی انتباہ دیتے ہیں ؂

اس طرح بھی اس جہاں میں دوستی کرتے ہیں لوگ
پردۂ یاری میں چھپ کر دشمنی کرتے ہیں لوگ

جب کہ ان کا خود اخلاص و محبت کچھ یوں الفاظ کا جامہ پہنتا نمودار ہوتا ہے کہ ؂

ہم اپنا اسے سونپ دیتے ہیں دامن
کسی کی جو آنکھوں کو نم دیکھتے ہیں

مصرع طرح پر گرہ لگانا زیادہ آسان نہیں ہے۔ ایک ادبی تنظیم کی طرف سے دیے گئے مصرعے ''آنکھوں کو مرے قتل کی شمشیر تو کہئے'' پر منظور بہرائچی کا یہ شعر سب کو منظور ہوا ؂

بس آپ ذرا اپنے نظریے کو بدل لیں
گلشن کی بدل جائے نہ تصویر تو کہئے

منظور کے آگے علم و ادب کی لمبی شاہراہ ابھی ان کو دعوت معیارِ سخن، پختگی

صحافت اور پر کشش نثری تحریر دے رہی ہے۔ اور راقم الحروف بڑے خلوص سے متنبہ کرنا چاہے گا کہ خدا نہ کرے کہ ؂

یاران تیز گام نے منزل کو پا لیا
ہم محو نالۂ جرس کارواں رہے

اس لیے شعری کارواں کا جرس ادب میں تیزی سے ہوتے ہوئے تغیرات کی آنکھیں چکا چوند اور قلم کو خشک کر دیتے ہیں۔ اس لیے منظور صاحب دکھا دیجئے کہ ؂

''جو بڑھ کر خود اُٹھا لے ہاتھ میں مینا اسی کا ہے''

سید خالد محمود، قاضی پورہ، بہرائچ

نمونۂ کلام

۱
نعت شریف

جس کو بھی شہ دیں سے اے دوستو! الفت ہے　　اس شخص کے دِل میں ہی ایمان کی دولت ہے
اُنکو جو سمجھتے ہیں اپنی ہی طرح انساں　　معلوم نہیں اُن کو سرکار کی عظمت ہے
جبریل بھی جب انکی رفعت نہ سمجھ پائے　　ہم آپ کیا سمجھیں گے کیا اُن کی حقیقت ہے
وہ گنبد خضریٰ کا منظر بھی دکھا ہم کو　　مانا کہ بہت دلکش رضواں! تری جنت ہے
سرکار نہ آتے جو، کچھ بھی نہ کہیں ہوتا　　کونین میں جو کچھ ہے سب انکی بدولت ہے
منظورؔ کسی دیگر رہبر کی ضرورت کیا
رہبر تو ہمارا بس قانون شریعت ہے

۲

نعت شریف

جس کو سرکار دو عالم سے محبت ہو گی　　بس اُسی شخص پہ اللہ کی رحمت ہو گی
میرے اعمال نہ لے جائیں گے جنت میں مجھے　　میری بخشش مرے آقا کی بدولت ہوگی
عشق احمد سے بھرا ہے مرے دِل کا دامن　　اس سے بڑھ کر تو کوئی اور نہ دولت ہوگی
عاصیو! حبِ نبی دِل میں بسائے رکھو　　قبر تا حشر تمہیں اس کی ضرورت ہوگی
تیری جنّت تو بہت خوب مگر اے رضواں!　　کوئے طیبہ سے نہ بڑھ کر تری جنت ہوگی
مجھ گنہ گار کو طیبہ میں جگہ مل جائے　　اور ہوں گے وہ جنہیں خلد کی حسرت ہوگی
داور حشر بھی بخشے گا اسی کو منظورؔ
جس کے حق میں مرے آقا کی شفاعت ہوگی

۳

محبت میں ان کے ستم دیکھتے ہیں　　نہ پوچھو جو حالات ہم دیکھتے ہیں
ہم اپنا اُسے سونپ دیتے ہیں دامن　　کسی کی جو آنکھوں کو نم دیکھتے ہیں
ہم انساں کو رکھتے ہیں اپنی نظر میں　　نہ دولت، نہ جاہ و حشم دیکھتے ہیں
وہ خود کاٹ لیتے ہیں ہاتھوں کو اپنے　　کسی کا جو دستِ کرم دیکھتے ہیں
پہنچنا ہے منظورؔ منزل پہ جن کو
وہ کب راہ کے پیچ و خم دیکھتے ہیں

غزل

دیکھئے! اس شخص کا جینا بہت دشوار ہے
آج کے اس دور میں جو صاحب کردار ہے

جن کے ہاتھوں کو کھلونوں کی ضرورت تھی ابھی
آج اُن بچوں کے ہاتھوں میں کھلی تلوار ہے

مذہبی باتوں پہ کوئی بھی نہیں کرتا عمل
یوں تو بنتا ہر کوئی مذہب کا ٹھیکیدار ہے

آدمیّت کا جنازہ کیوں نہ اُٹھ جائے بھلا
دہر میں ہر آدمی کو مال و زر سے پیار ہے

قوم کی وہ رہنمائی کر رہے ہیں آج کل
رہزنوں کی فوج کا جو اصل میں سردار ہے

آؤ! ایسے بے سہارا کی مدد مل کر کریں
جو بشر غربت زدہ ہے، زیست سے بیزار ہے

دل یہ کہتا ہے نہ نکلیں گھر سے اب منظورؔ ہم
سر جھکا کر دہر میں چلنا بڑا دشوار ہے

معروف اشعار

ہم اپنا اُسے سونپ دیتے ہیں دامن
کسی کی جو آنکھوں کو نم دیکھتے ہیں

☆☆☆

اس کے پینے پر تو سب کی اُٹھ گئی انگلی مگر
کوئی مجبوری نہیں سمجھا کسی مے خوار کی

☆☆☆

یہ بھی ہو اگر جینے کی تدبیر تو کہیے
رونے سے بدل جاتی ہو تقدیر تو کہیے

☆☆☆

سید محسن رضا زیدی (محسنؔ زیدی)

پیدائش: ۱۹۳۵ء مطابق ۱۳۵۴ھ وفات: ۲۰۰۳ء مطابق ۱۴۲۴ھ

جائے پیدائش: محلہ سید واڑا، ضلع بہرائچ، یو. پی.

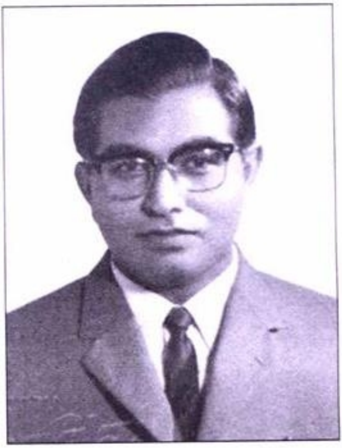

والد: سید علی رضا زیدی والدہ: سیدہ صغرا بیگم

تاریخ ولادت: ۱۰/جولائی ۱۹۳۵ء مطابق ۹/ربیع الثانی ۱۳۵۴ھ

تاریخ وفات: ۳/ستمبر ۲۰۰۳ء مطابق ۶/رجب ۱۴۲۴ھ

تعلیم: ایم.اے. الہ آباد یونیورسٹی

شعری تخلیقات: ا.شہرِ دل، ۲.رشتۂ کلام، ۳.متاعِ آخرِ شب، ۴. بابِ سخن، ۵.جنبشِ نوکِ قلم

انعام واعزاز: تخلیق 'جنبشِ نوکِ قلم' پر اردو اکیڈمی، اترپردیس انعام وسند

بھیجنے والے: ارشد رضا زیدی **شاعر سے رشتہ:** بیٹا

پتہ: ۱۸/۵۳، اندرا نگر، لکھنؤ، یو. پی. (حال مقیم 'دبئی')

فون: 0522-2356018 **موبائل:** 9335905281

تعارف

محسنؔ زیدی کا تعلق سادات بارہہ، مظفر نگر سے رہا ہے لیکن انکی پیدائش محلہ سید واڑہ، ضلع بہرائچ میں ہوئی۔ ہائی اسکول تک کی تعلیم ضلع پرتاپ گڑھ سے حاصل کی اور پھر 52-1951 میں، مہراج سنگھ، انٹر کالج، بہرائچ سے سینئیر اسکول پاس کر کے لکھنؤ یونیورسٹی سے بی.اے. پاس کیا۔ 1956 میں الہ آباد یونیورسٹی سے معاشیات میں ایم.اے. کیا اور فوراً ہی 'انڈین اکنامکس سروسز' کے تحت مرکزی حکومت میں ملازمت شروع کی اور مختلف شعبوں جیسے وزارت 'کیمکل وفرٹلائزز'، 'لیبر'، 'اگیری کلچر' اور 'پلاننگ کمیشن' میں بہتر سے بہتر کارکردگی انجام دیں۔ 1993 میں جوائنٹ سکریٹری کے عہدے سے سبکدوش ہوئے۔ ملازمت کے دوران ہی حکومت کی طرف سے 'جاپان'، 'سنگاپور'، 'ہنگ کانگ'، 'تائیوان'، 'انڈونیشیا'، 'ملیشیا'، 'تھائی لینڈ' اور 'الجیریا' وغیرہ مختلف ممالک کا دورہ کیا۔

طالب علمی کے دوران پرتاپ گڑھ میں، اس وقت کے مشہور ترقی پسند شاعر نازشؔ پرتاپ گڑھی سے کافی متاثر ہوئے تھے اور انھوں نے ۱۹۵۰ء میں ۱۵ سال کی عمر سے ہی شاعری شروع کر دی تھی۔ میرؔ، مومنؔ، غالبؔ، آتشؔ، انیسؔ، داغؔ اور میر دردؔ جیسے کلاسیکل شعرا حضرات کو پڑھا اور ان سے تاثرات اخذ کیے اور جلد ہی معیاری شعر گوئی میں اپنا مقام مخصوص کر لیا۔

"محسنؔ زیدی بہرائچ کے اُن چند شعراء میں شمار ہوتے ہیں جنھوں نے لکھنؤ اور دہلی، زبان وادب کے معروف مرکز میں اپنے فن کو نکھارا جس میں انکے ادبی مہذب خاندانی ونسبی ماحول وانکی تعلیم کا پورا ہاتھ رہا۔

وہ ایک ماہر معاشیات تھے اور معاشیات کے کچھ خاص موضوعات ہوتے ہیں جن کا گہرا اثر ان کی شاعری پر پڑا جس کی تصدیق ان کے مجموعوں سے ہوتی ہے۔ معاشی

نابرابری اور دولت کی غیر منصفانہ تقسیم کی جھلک ان کی شاعری میں بخوبی دیکھی جا سکتی ہے۔

تھا شاہراہ پر تو اجالا ہر ایک سو لیکن گلی میں اپنی اندھیرا رہا تمام

☆☆☆

اپنے دیار ہی میں رہا قحط آب کیوں کیا ابر ایک سمت برستا رہا تمام

☆☆☆

یہ بات دیکھنے کی نہیں سوچنے کی ہے افلاس ہے زیادہ کہ دولت زیادہ ہے

☆☆☆

غیر ملکی کمپنیوں اور ترقی یافتہ ممالک کی معاشی بالادستی کے زمرہ میں یہ شعر ملاحظہ فرمائیں۔

وہ بھاؤ بدل سکتا ہے بس ایک نظر سے ساری ہی دوکانیں سبھی بازار ہیں اُسی کے

☆☆☆

معاشیات سے ہی جڑی ہوئی دو شاخیں اور ہیں جس میں پہلی شاخ ہے جسے 'Urbanisation' یعنی 'لوگ گاؤں کی پر فضا ماحول کو چھوڑ کر شہر کی طرف ہجرت کرتے ہیں اور شہروں میں آکر بھٹکتے ہیں'۔ دوسری شاخ ہے 'Deforestation' یعنی 'جنگلوں کا صفایا'۔ اِن عنوانات کے تحت محسن صاحب کے اشعار ملاحظہ فرمائیں۔

محسن مرے لیے کہیں جائے اماں نہ تھی میں اک غریب شہر بھٹکتا رہا تمام

☆☆☆

اب چھاؤں کے لیے کوئی دیوار ڈھونڈیے اس شہر میں تو کٹ گئے اشجار سب کے سب

☆☆☆

اردو ادب میں ایک مثل ہے 'کم خرچ بالا نشین' جس کے مطلب ہوتے ہیں 'قیمت میں کم اور پائیداری میں زیادہ' اسی زمین پر معاشیات کا جو پہلا اصول ہے کہ ''خرچ کم ہو اور آؤٹ پُٹ (Output) زیادہ ہو''۔ ایک ماہر معاشیات جب شعر کہے گا تو اس بات کی فکر میں رہے گا کہ کم الفاظ میں زیادہ سے زیادہ معنی نکلیں۔

محسن زیدی نے ایک سوال کے جواب میں بتایا کہ ''اردو ایک زبان ہی نہیں ایک تہذیب بھی ہے اور اردو کی جو صورت حال اس وقت ہے اس سے مطمئن نہیں ہوں۔ لوگ دوسروں پر الزام رکھتے ہیں کہ وہ کچھ نہیں کر رہے ہیں لیکن ہم خود اردو کے قاتل ہیں۔ ہمیں یہ سوچنا ہے کہ ہم نے اردو کے لیے کیا کیا۔ ہم نے آنے والی نسل کو کیا راغب کیا اردو پڑھنے کی طرف ؟ اردو ایک اضافی حیثیت سے بھی پڑھی جا سکتی ہے۔ آپ ایم.اے. کسی سبجکٹ میں کریں، اسپلائیزیشن کسی سبجکٹ میں کریں، بنگالی زبان زندہ رہی۔ بنگالی آبادی جو ہے اس نے کسی سے کوئی سہارا نہیں مانگا بنگالی (زبان) کے لیے اسے اپنی بنگالی زبان سے جو محبت رہی ہے جو دلچسپی رہی ہے اس سے اس کی اشاعت اس کے فروغ کے سلسلہ سے برابر کوشاں رہے اور اب نہ جانے ہم اردو والوں کو کیا ہو گیا ہے کہ چاہتے ہیں کہ ہر چیز ہمیں طشتری میں رکھ کر دی جائے اور ہم کچھ نہ کریں''۔

۱۹۸۴ء کا دہلی کا فساد محسن زیدی کے سامنے کا ہے، انھوں نے وہاں کے ہولناک منظر دیکھے ہیں، جلتے گھر دیکھے ہیں، بوسیدہ لاشیں دیکھی ہیں، روتے بلکتے بچے دیکھے ہیں، بوڑھے کاندھوں پر جوان لاشیں دیکھی ہیں اور وہ کہہ اُٹھتے ہیں ۔

کیا دیکھتے ہو راہ میں رک کر یہاں وہاں ہے خاک وخوں میں ایک سا منظر یہاں وہاں
شیشے کے سبل ملکا ہیں شکستہ اِدھر اُدھر بکھرے پڑے ہیں شہر میں پتھر یہاں وہاں
ہے درمیاں خنجر و سر فاصلے کا فرق ورنہ سروں پہ ہے وہی خنجر یہاں وہاں

☆☆☆

''محسن زیدی کی شاعری اگر ایک طرف عصری صداقتوں کی تصویر کشی کرتی ہے تو دوسر طرف زندگی کے حسین اور خوشگوار لمحات اور اس کی نرمی و دلکشی کی عکاسی بھی کرتی ہے جو محسن کے احساسِ جمال اور غزل کی رس نرمی و حلاوت کو پیش کرتی ہے۔ جسے غزل کی تہذیب کہا جاتا ہے اور جس نے غزل کو ایک صنف لطیف بنا دیا ہے۔ محسن نے غزل میں

مختلف طرح کے تجربات ومحسوسات کونظم کیا ہے ان کی غزل میں تہذیبی قدریں بھی ہیں اور نازک احساسات بھی، اس میں زمانہ کی تلخی بھی ہے اور حالات کا شکوہ بھی، لیکن کسی جگہ غزل کی تہذیب کا دامن ان کے ہاتھ سے نہیں چھوٹتا''۔ (پروفیسر شارب ردولوی)

ساتھ چلے تھے سب مگر یاد کسی کو کچھ نہیں کون کہاں ٹھہر گیا، کون کدھر نکل گیا

☆☆☆

تیشۂ شب سے رات بھر کون ہوا لہولہاں کون نگارِ صبح کے رخ پہ گلال مل گیا

☆☆☆

یہ تو دنیا ہے بدلتی رہتی ہے اس کی نظر جس قدر یہ آشنا ہے اُس قدر نا آشنا

☆☆☆

''محسن زیدی کی غزلیں پڑھ کر اس کا اندازہ ہوتا ہے کہ ان کے محسوسات اور خیالات خود ان کے ہیں جنہیں انھوں نے اپنے ڈھنگ سے پیش کیا ہے، یہی بات اس کے اشعار میں اثر انگیزی کی ضامن بن جاتی ہیں''۔ (سید احتشام حسین)

''محسن زیدی روایتی غزل نہیں کہتے، اپنے دور کے آفریدہ ہیں لیکن وہ خالص جدید یے بھی نہیں۔اپنی سلیم الطبعی کے باعث انھوں نے جدیدیت سے قابل قدر افکار و اظہار کو لے لیا۔لیکن ابہام یا اقدار شکنی سے مبرّا رہے۔انھوں نے بالعموم طرز اظہار سے پرہیز کیا ہے اور براہ راست طریقہ اختیار کیا ہے''۔ (ڈاکٹر گیان چند جین)

محسن رضا زیدی چار بھائی تھے۔سید کاظم رضا زیدی، بینکنگ سروسز رکروٹمنٹ بورڈ، دہلی سے چیرمین کے عہدے سے سبکدوش، (ان کے ۲ر بیٹے اور ۲ر بیٹیاں ہیں)۔سید جعفر رضا زیدی، سپلائی انسپکٹر کے عہدے سے سبکدوش ہوئے تھے اور یہ بھی لکھنؤ، وزیر گنج میں بس گئے تھے۔(ان کے ۵ر بیٹیاں ہیں)۔محسن رضا زیدی کے دو بیٹے ہیں۔(بڑا بیٹا ڈاکٹر احسن رضا زیدی لکھنؤ کے مشہور و معروف کان، ناک اور گلا (ENT) کے ماہر امراض ہیں۔چھوٹا بیٹا ارشد رضا زیدی دوبئ میں شعبۂ 'اکاؤنٹ و فائنانس' سے جڑے ہیں)۔سب

محمد ایاز بیگ (ایمن چغتائی)

۱۹۱۷ء - ۲۰۰۱ء

جائے پیدائش: نانپارہ، ضلع بہرائچ، یو. پی.

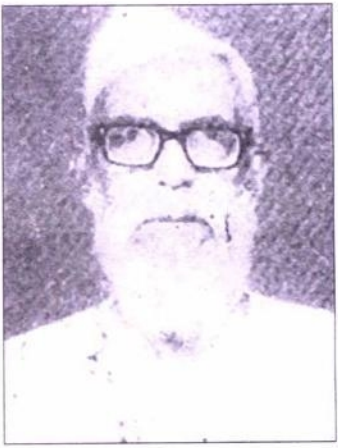

والد: مرزا شہزاد بیگ

تاریخ ولادت: ۲؍نومبر ۱۹۱۷ء مطابق ۱۶؍محرم الحرام ۱۳۳۶ھ

تاریخ وفات: ۲۴؍اپریل ۲۰۰۱ء مطابق ۳۰؍ذی الحجہ ۱۴۲۲ھ

تلمیذ: جناب سید محمد اصغر رشیدی، نانپارہ، بہرائچ

تعلیم: ہائی اسکول، ادیب ماہر، ادیب کامل

شعری تخلیقات: ۱. برق ایمن، ۲. پھول اور کانٹے

بھیجنے والے: جناب شاہنواز خاں **شاعر سے رشتہ:** چھوٹی بہن کے بیٹے

پتہ: کوارٹر ۳۹۶. کے. گرجا کالونی، گونڈہ، یو. پی.

فون: 05262-260380 **موبائل:** 9307595051

سے چھوٹے بھائی کرار رضا زیدی ممبئی میں اسٹیٹ بینک آف انڈیا سے وابسطہ رہے لیکن ملازمت چھوڑ کر فلم کے پروڈکشن میں لگ گئے، ایک فلم بھی بنائی لیکن کامیابی نہیں ملی۔اس کے بعد یہ مستقل طور پر بہرائچ آ گئے اور یہاں کسی بینک سے وابسطہ ہوئے۔چاروں بھائی اللہ کا پیارے ہو چکے ہیں۔اللہ کے فضل سے تینوں بہنیں سیدہ منور خاتون،سیدہ انور خاتون اور سیدہ طاہرہ خاتون حیات ہیں۔

شمیم اقبال خاں

نمونۂ کلام

۱

جنبشِ نوک قلم ہی سہی خنجر کے خلاف
کوئی میدان میں آئے تو ستم گر کے خلاف

کبھی آواز تمہارے بھی دہن سے نکلے
کوئی روزن تو کھلے گنبد بے در کے خلاف

آج کیا، بارہا تاریخ میں ایسا ہی ہوا ہے
راہرو ہو گئے خود اپنے ہی رہبر کے خلاف

اب بھی اک سلسلۂ جبر ہے جاری کہ جو تھا
اب بھی پرواز میں شاہیں ہے کبوتر کے خلاف

وہ جو لکھتا تھا وہی سامنے آیا ہر بار
جنگ کرتے رہے ہم پھر بھی مقدر کے خلاف

دستِ گلچیں کو قلم کر دیا ہم نے اب کے
تا کہ اب سے نہ اُٹھے ہاتھ گل تر کے خلاف

سارا ہی شہر تھا جب خون کا پیاسا محسنؔ
تیغ اُٹھائے بھی تو کس کس کے تن و سر کے خلاف

۲

ارمان اس سے اور زیادہ نہیں مجھے — اس کے سوا کسی کی تمنا نہیں مجھے
غائب ہوا تمام ہی چہروں سے آب و رنگ — چہرہ نظر میں اب کوئی جچتا نہیں مجھے
میں خود سے آ گیا ہوں تمہاری گرفت میں — اب مجھ کو پا گئے ہو تو کھونا نہیں مجھے
آنکھوں سے اپنی دیکھ لیا اتنا کچھ کہ بس — مطلوب اور سیر و تماشا نہیں مجھے
اک قرض آخری تو چکانے کی بات ہے — اس شہر میں اب اور ٹھہرنا نہیں مجھے
جا کر اسے تلاش کروں کس پتہ پہ میں — اپنا پتا جب اس نے بتایا نہیں مجھے
کہتے ہیں آپ آتا نہیں گفتگو کا فن — سچ یہ ہے جھوٹ بولنا آتا نہیں مجھے

محسنؔ میں اپنی دُھن میں تھا، بڑھتا چلا گیا
اس نے بھی آ کے سامنے روکا نہیں مجھے

۳

ہم تو ہر حال میں جی لیں گے ہمارا کیا ہے — تم یہ بتلاؤ کہ احوال تمہارا کیا ہے
ہم نے دیکھا ہے بدلتی ہیں نگاہیں کیسے — جانتے ہیں یہ کنایہ یہ اشارہ کیا ہے
یہ تو اس خواب کی دھندلی سی بھی تصویر نہیں — ہم یہ کیا دیکھ رہے ہیں یہ نظارا کیا ہے
ٹھن گئی موج تلاطم سے تو ساحل کیسا — تیرتے رہنا ہی ٹھہرا تو کنارا کیا ہے
سب کرشمہ ہے بس اک حسنِ نظر کا ورنہ — کوئی شبنم کوئی گل کوئی ستارا کیا ہے

اپنی تقدیر میں جب لکھ گئی ہجرت محسنؔ
اب بجز خانہ بدوشی کوئی چارا کیا ہے

ع

مرے دامن کو بھگوتا کون ہے؟ میں نہیں روتا تو روتا کون ہے؟
راستے سے کون چن لیتا ہے پھول راہ میں کانٹوں کو بوتا کون ہے؟
دیکھنا ہے زندگی کی دوڑ میں کون یاں پاتا ہے، کھوتا کون ہے؟
اس سفرمیں ساتھ جب کوئی نہیں پھر مرے ہمراہ ہوتا کون ہے؟
رات بھر ہوتے ہیں اب تو رتجگے شہر میں راتوں کو سوتا کون ہے؟
ملتا ہے محسنؔ یہاں تقدیر سے
کاٹتا ہے کون بوتا کون ہے؟

مختلف اشعار

مشعلیں سر کی سجائی گئیں طشت زریں کب سے مقتل میں چراغاں نہ ہوا تھا

☆☆☆

ہے معرکۂ کرب و بلا اصل میں دنیا بازیچۂ اطفال کو دنیا نہیں کہتے

☆☆☆

سر قلم ہو گئے کتنوں کے مگر جیسے کچھ بھی نہ ہوا، سب خاموش!

☆☆☆

ساری تیغیں ہیں اک گلو کے لیے سارے تیروں کا ہے نشانہ ایک

☆☆☆

کٹے گی فصل سروں کی کہ شمر ہے موجود چھدیں گے سب کے گلے حرملہ کے ہوتے ہوئے

☆☆☆

پہلے ہی سے ہم سمتِ سفر کیوں نہ بدل لیں اس موڑ کے آگے ہے اگر راہ گزر بند

☆☆☆

کہا کچھ تھا زمانے نے سنا کچھ فسانہ کچھ تھا لیکن بن گیا کچھ

☆☆☆

ارمان علی (مومن برکاتی)

۱۹۷۳ء

جائے پیدائش: محلہ سالارگنج، ضلع بہرائچ، یو. پی.

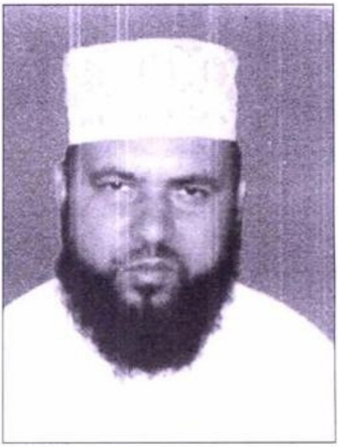

والد: جناب انور علی ننھے صاحب   والدہ:

تاریخ ولادت: ۱۰ر جولائی ۱۹۷۳ء مطابق: ۱۰ر جمادی الثانی ۱۳۹۳ھ

تلمیذ: ڈاکٹر عبرت بہرائچی   استاد کا پتہ: محلہ ناظر پورہ، بہرائچ

تعلیم: درجہ سوم   مشغلہ: تجارت

مکمل پتہ: محلہ سالارگنج، عیدگاہ روڈ، بہرائچ، یو. پی.

موبائل: 9839656578

تعارف

۱۹۷۳ء یعنی آج سے تقریباً ۳۸ سال قبل جناب ارمان علی صاحب مومن برکاتی حضرت سید سالار مسعود غازی علیہ الرحمہ سے منسوب محلّہ سالار گنج بہرائچ شریف کے اس گھرانے میں پیدا ہوئے جس میں مزدوری کی بدولت زندگی بسر کی جاتی تھی۔ ایک مزدور کس طرح زندگی کے لیل ونہار سے گزرتا ہے یہ سب اُس زمانے میں کسی بھی فرد کو بتانے کی ضرورت نہیں۔ اس سے سب بدرجۂ اتم واقف ہیں۔ غربت کی باعث مومن برکاتی کی ابتدائی تعلیم جامعہ غازیہ سید العلوم بڑی تکیہ، بہرائچ شریف میں اوراس کے بعد جامعہ اشرفیہ مسعود العلوم چھوٹی تکیہ، بہرائچ شریف میں برائے نام ہوئی۔ اس کے علاوہ گھریلو تعلیم حاصل کی جس کی کوئی سند موجود نہیں ہے۔ مومن برکاتی کے والد گرامی جناب انور علی (ننھے) صاحب کے ماضی کا حال یہ تھا کہ آپ اپنے وقت کے ایک اچھے خوش گلو نعت خواں تھے۔ جن کی خوش گلوئی وراثت میں جناب مومن برکاتی صاحب نے پائی۔ ابتدائی عمر تو نعت خوانی میں گزار کر خوب پذیرائی حاصل کی اور دیکھا یہ گیا ہے کہ شہر، قصبہ، دیہات، گاؤں کے کوئی دینی جلسے یا محفل عید میلا دالنبی سے خود کو الگ نہ رکھا، وقت گذرتا گیا اور مومن برکاتی نے نعتیہ شاعری سے خود کو شرفیاب فرمایا اور تقریباً ۱۵ سال سے اب تک عید میلا دالنبی وجشنِ دستار بندی، نعتیہ مشاعروں اوراعروس مقدسات کی محفلوں میں بحیثیت شاعر سنے جانے لگے۔

مومن برکاتی نے بہرائچ سے نکل کر اتر پردیش کے مختلف اضلاع مثلاً گونڈہ، بلرامپور، سدھارتھ نگر، فیض آباد، جون پور، سلطان پور، رائے بریلی، امبیڈکر نگر، اعظم گڑھ، بنارس، مؤ ناتھ بھنجن، مرزاپور، بھدوہی، پرتاپ گڑھ، بارہ بنکی، لکھنؤ، اناؤ، کانپور، جالون، شاہجہانپور، سیتاپور، لکھیم پور کھیری، پیلی بھیت، ادھم سنگھ نگر،، ایٹہ، آگرہ کے علاوہ دیگر

صوبوں کے معروف شہروں اور پڑوسی ملک نیپال میں بھی مومنؔ برکاتی اپنی آواز کا جادو جگانے میں کامیاب رہے ہیں۔مومن برکاتی نے حمد،نعت، منقبت،نعتیہ گیت،منقبتی گیت،سہراوغیرہ پرطبع آزمائی فرمائی ہے۔جس کی بدولت ارباب علم ودانش میں خوب خوب مقبول ہیں۔بطورنمونہ چنداشعارپیش ہیں۔

جب اُٹھی تو کر ڈالا مہتاب کو دو ٹکڑے
یہ کشف و کرامت ہے انگشت شہادت کی

☆☆☆

سیلاب امنڈ آیا ہر سمت اجالوں کا
دنیا میں نبی آئے جب صبح کی صورت میں

☆☆☆

نور والے تیرا جواب نہیں
یہ حقیقت ہے کوئی خواب نہیں

☆☆☆

حسن یوسف کی بات کرتے ہو
آپ کے حسن کا جواب نہیں

☆☆☆

تحریر
شانِ عالم مسعودی
بانی وصدر انجمنِ ضیائے غازی
بہرائچ

نمونۂ کلام

نعت شریف

۱

بد خلق بھی گر آیا دربارِ رسالت میں
لوٹا وہ درِ حق سے کردار کی صورت میں

آتی نہ گر مرے پرواز میں کوتاہی
میں کب کا پہنچ جاتا دربارِ رسالتؐ میں

جب اُٹھی تو کر ڈالا مہتاب کو دو ٹکڑے
یہ کشف و کرامت ہے انگشت شہادت میں

سیلاب امنڈ آیا ہر سمت اجالوں کا
دنیا میں نبی آئے جب صبح کی صورت میں

قسمت کے دھنی ہیں وہ دِن کٹتے ہیں جنکے بھی
بوبکرؓ و عمرؓ عثمانؓ حیدرؓ کی اطاعت میں

جلوؤں کی فراوانی اس بات کی شاہد ہے
تصویرِ محمدؐ ہے آئینۂ فطرت میں

ایمان وہ کیا لاتا سرکارِ دو عالمؐ پر
بوجہل تو رہتا تھا دِن رات شرارت میں

یہ سوچ کے مومنؔ نے ہے رخت سفر باندھا
موت آئے مدینے میں سرکار کی قربت میں

نعت شریف

۲

نور والے ترا جواب نہیں　　یہ حقیقت ہے کوئی خواب نہیں
دشمنوں کو گلے لگاتے ہیں　　آپ کے ظرف کا جواب نہیں
دِل سے قرآن پاک کو پڑھئے　　اس سے بڑھ کر کوئی کتاب نہیں
عشق احمد ہے جس کے سینے میں　　اس پہ ہوگا کبھی عذاب نہیں
حسن یوسف کی بات کرتے ہو　　آپ کے حسن کا جواب نہیں
جاکے دیکھو کبھی مدینے میں　　رحمتوں کا وہاں حساب نہیں
مومنؔ اس پر نثار ہے جنّت　　گنبد سبز کا جواب نہیں

نعت شریف

۳

جس نے اکبار نبی کا رُخِ انور دیکھا　　چاند کی سمت کبھی اس نے نہ مڑ کر دیکھا
پائے اقدس سے پگھلتا ہوا پتھر دیکھا　　دیکھنے والوں نے آنکھوں سے یہ منظر دیکھا
ان کی آمد پہ ہوئی نور کی بارش اتنی　　شہر مکّہ کو اجالوں سے منور دیکھا
گل تو گل خار بھی ہنستے ہیں گل تر کی طرح　　میری آنکھوں نے مدینے میں یہ منظر دیکھا
اپنے اطوار پہ نادم ہوئی ایماں لائی　　اک یہودن نے جو کردارِ پیمبر دیکھا
یہ فرشتوں نے کہا آ کے زمیں والوں سے　　منظر باغِ نبی خلد سے بہتر دیکھا
ہو گیا جس سے یہ کونین منور مومنؔ　　سبز گنبد میں اجالوں کا محور دیکھا

ooOoo

عبدالحفیظ (نظر بہرائچی)

۱۹۸۱ء

جائے پیدائش: محلّہ قاضی پورہ، ضلع بہرائچ، یو. پی.

والد: جناب عبدالمجید صاحب **والدہ:** محترمہ سیدہ خاتون صاحبہ

تاریخ ولادت: ۱/اپریل ۱۹۸۱ء مطابق: ۲۵/جمادی الاول ۱۴۰۱ھ

تلمیذ: ڈاکٹر قمر رئیس بہرائچی **استاد کا پتہ:** ۳۳۹/بڑی ہاٹ، بہرائچ

تعلیم: ایم.اے. اردو **مشغلہ:** تجارت

انعام و اعزاز: بہترین غزل گو

مکمل پتہ: نزد اگروال پریس، محلّہ چھاؤنی، ضلع بہرائچ۔

موبائل: 9838152333

تعارف

اردوزبان وادب کی شیرینی، شائستگی اور دلکشی ہر دور میں نوجوان طبقہ کے ہر اُس فرد کو اپنی طرف کھینچتی ہے جس کو اردو آتی ہو۔ بہرائچ اسی زمرہ میں آتا ہے اور متعدد افراد نے عنفوان شباب میں ہی خداداد موزوں مئی طبع کو صحیح سمت میں لگا کر سخنوری کی فہرست میں اپنا نام شمار کرالیا۔ شہر کے کہنہ مشق شاعرڈاکٹر قمر رئیس کے شاگرد عزیز عبدالحفیظ نے محلّہ قاضی پورہ شہر بہرائچ میں واقعہ رہائش گاہ وادبی ماحول میں آنکھیں کھولیں اور اوائل عمری میں ہی اردو کی کشش سے اشعار موزوں کرنے کی راہ پکڑ کر ایسے تعلیمی اداروں میں متعلم رہے جہاں اردو ہی بنیاد ہو۔ عبدالحفیظ نے شاعری کی طرف قدم بڑھایا اور قطعات، نظم، گیت، نعت، منقبت وغیرہ میں طبع آزمائی شروع کی۔ معروف رسائل واخبارات نے بھی ہاتھوں ہاتھ لیا اور ماہنامہ پیام اردو حیدرآباد ماہنامہ انشاء کولکاتا، مشرقی خاتون نئی دہلی، گلابی کرن نئی دہلی، سالنامہ ناگری وانگ مئے بہرائچ، روزنامہ صحافت لکھنؤ، اپنا اخبار نے ادبی صفحات پر نمایاں جگہ دی۔ ساتھ ہی ایک اچھے ترنم کی وجہ سے نیپال ریڈیو کے ایف. ایم. پر اپنا مقام بنا رکھا ہے۔

اپنے چھ بھائی، ، بہنوں میں سب سے چھوٹے نظرؔ بہرائچی جب آزاد انٹر کالج کے درجہ آٹھ میں متعلم تھے تو کچھ مصرعے اپنے اردو استاذ جناب انجم صدیقی کو دکھائے تھے جنہوں نے ان کو بغور پڑھا اور اصلاح فرمائی اور خوب ہمت افزائی فرمائی اور سلسلہ جاری رکھنے کی تلقین کی۔

نظرؔ بہرائچی صاحب مقامی سطح کے ہندی و اردو مشاعروں، شعری نشستوں میں اپنی شناخت بنانے میں مکمل طور سے کامیاب ہیں۔

تمام عمر ہواؤں سے گفتگو کی ہے
تب اک چراغ جلانے کی آرزو کی ہے

نظرؔ بہرائچی کو کئی توصیفی سند و وایوارڈ حاصل ہوئے ہیں جیسے۔ ''ادبی تنظیم پیام ادب، بہرائچ، یو. پی.'' کی طرف سے مشاعرہ کنویز اوارڈ ۲۰۱۰ء اور ''ادبی تنظیم انجمن شیدائے رسول،

تعارف

محترم ایمنؔ چغتائی نانپاروی اردو ادب کی باکمال کہنہ مَشق قد آور شخصیت کا نام تھا، جو دنیائے ادب میں محتاج تعارف نہیں ہے۔ اوائل عمری سے شاعری انکی گھٹی میں پڑی تھی۔ ۱۹۳۹ء سے انہوں نے باقاعدہ اپنی شاعری کا آغاز کیا اور دبستان لکھنوء کے ایک ممتاز شاعر پیارے صاحب رشیدؔ کے شاگرد جناب اصغر رشیدی مرحوم (نانپارہ) سے مشورۂ سخن لینے کے بعد ان کی شاعری میں غزل کی چاشنی اور انداز بیاں میں جلا پیدا ہوتی گئی۔ اصغر رشیدی صاحب کے انتقال کے بعد ایمنؔ صاحب کا شمار اساتذہ کی صف میں کیا جاتا تھا اور وہ جب تک حیات رہے، متعدد مقامی اور بیرونی شعرا موصوف سے مستفید ہوتے رہتے تھے۔

مشاعروں میں آپکی شرکت مشاعرہ کی کامیابی کی ضامن ہوتی تھی۔ تحت اللفظ میں آپ کی گھن گرج، آواز اور طرز ادا عجیب سماں پیدا کر دیتی تھی۔ ایمنؔ صاحب ایک خدا پرست اور دین دار انسان تھے۔ اس لئے موصوف میں ناموری اور شہرت کی ہوس کبھی نہیں رہی، لیکن جب آپ کا ۴۷ سال کا سرمایہ شعر وسخن دیمکوں کی نذر ہو گیا، تو موصوف کو زبردست دھچکا لگا۔ چند اوراق پر لکھی ہوئی غزلیں، نظمیں اور ایک بیاض جو محفوظ رہ گئی تھیں، انھیں سے مجموعہ ''برق ایمن'' مرتب کیا۔

دیمکیں چٹ کر گئیں سرمایۂ شعر وسخن
پرزہ پرزہ ہوگئ اپنی کتاب فکر وفن

سینتالیس سال کے شاعری کے سفر میں موصوف نے اتنا کچھ کہا تھا کہ اس طرح کے کم سے کم دس مجموعے مرتب کئے جاسکتے تھے۔ اس لئے اس غم کو وہ تا حیات فراموش نہیں کر سکے۔ یہ شعر بھی، جو آج تک اکثر حضرات کے زبان زد ہے، اسی غم کا آئینہ دار ہے۔

بہرائچ اتر پردیش''، ''اکھل بھارتیہ ہندی ودِھی پرتشٹھان شاکھاجنپد، بہرائچ''، ''ساہتیہ ایوم سانسکرتک اکیڈمی، بہرائچ (اتر پردیش)''اور''کھیل ایوم سانسکِرتک سماروہ، قیصر گنج مہوتسو'' نے توصیفی اسناد سے نوازااور عزت افزائی کی ہے۔

نمونۂ کلام

۱

اب نقاب انکوتو ہے رُخ سے ہٹانا مشکل — ہو گیا ہے اب اُنہیں جلوہ دکھانا مشکل
خود بہ خود اشک ٹپکتے ہیں مری آنکھوں سے — اب تو ہے دِل کا ہراک راز چھپانا مشکل
رِزق پتھر میں بھی کیڑے کو خدا دیتا ہے — اس کی قدرت کا ہے اندازہ لگانا مشکل
میری تقدیر میں ہجرت ہی لکھی ہے شاید — اب مسلسل تو چمن میں ہے ٹھکانا مشکل
وہ چھڑکتے نمک اور مرے زخموں پر — اس لیے ہے اُنہیں ہر زخم دکھانا مشکل

۲

قدم قدم پہ ہے خطرہ ذرا سنبھل کے چلو — بہت خراب ہے رستہ ذرا سنبھل کے چلو
نیا ہے چہرہ نئے لوگ، ہے نئی بستی — یہاں پہ کون ہے اپنا ذرا سنبھل کے چلو
ہوائیں گفتگو کرتی ہوئی گزرتی ہیں — ہر ایک سبز ہے پتہ ذرا سنبھل کے چلو
تمام لوگ ابھی منتظر ہیں سورج کے — کسی کو ڈر نہیں شب کا ذرا سنبھل کے چلو
یہی زمانہ تمہیں سنگ سار کر دے گا — ہوا ہے عشق کا چرچہ ذرا سنبھل کے چلو
ہر اک شخص کے چہرے پہ لکھا ہے قاتل — نہیں ہے کوئی مسیحا ذرا سنبھل کے چلو

یہ ٹیڑھے میڑھے محبت کے راستے ہیں نظرؔ
سفر پہ نکلے ہو تنہا ذرا سنبھل کے چلو

۳

بے ذوق مے کشوں سے بھلا کب بنی مری ان کو نہ راس آئی کبھی دوستی مری
میں نے چراغِ اشک جلائے ہیں عمر بھر پھر بھی تو تیرگی میں رہی زندگی مری
ہر سمت ہے بہار کا موسم جہان میں لیکن اداس اداس ہے ہر اک خوشی مری
رودادِ غم سناؤں تو کس کو سناؤں میں ہر شخص ڈھونڈتا ہے یہاں اب کمی مری
طوفان نفرتوں کا اُٹھا ہے ہر ایک سمت ہے پھر سے آج خطرے میں اب روشنی مری
اب روک پائے گا کوئی کیا مجھ کو قید میں آواز دے رہی ہے مجھے زندگی مری
اس دِل میں تیری یاد کے جگنو چمکتے ہیں
روشن ہے جس سے آج نظرؔ زندگی مری

۴

میں آج خار کے بدلے گلاب لایا ہوں ترے لیے میں مکمل جواب لایا ہوں
ترے فریب کو میرا خلوص ڈھک لے گا میں تیرے واسطے یہ ایک نقاب لایا ہوں
تو یاد کر لے سبق اب وفا پرستی کا تجھے پڑھانے وفا کی کتاب لایا ہوں
تمہارے شہر میں ہوگی کبھی نہ تاریکی میں اپنے ساتھ کئی آفتاب لایا ہوں
مجھے یقیں ہے ملے گی ضرور آزادی ہزار مرتبہ میں انقلاب لایا ہوں

زبان زدومعروف اشعار

برہنہ جسم کو ملبوس کس طرح لکھتا
قلم کی نوک پہ جب کاغذی لباس نہ تھا

☆☆☆

تجھے خبر بھی ہے سکّہ اُچھالنے والے!
مری انا کے مقابل ترا غرور نہیں

☆☆☆

ہمیشہ کورے کاغذ کی وہی تحریر ہوتے ہیں
جو گھر اخلاق کی بنیاد پر تعمیر ہوتے ہیں

☆☆☆

بھٹک رہا تھا اندھیروں میں زمانہ کل تک
ہمیں نے روشنی دنیا میں چار سو کی ہے

☆☆☆

موج دریا سے کیا کروں شکوہ
ناخدا نے ہی جب فریب دیا

☆☆☆

ooOoo

رئیس احمد صدیقی (رئیس بہرائچی)

۱۹۶۷ء

جائے پیدائش: موضع مروٹھیا، قیصر گنج، ضلع بہرائچ، یو. پی.

والد: جناب ظفر محمد صدیقی صاحب **والدہ:** محترمہ عقیق النساصاحبہ

تاریخ ولادت: ۱۰؍جولائی ۱۹۶۷ء مطابق: ۲؍ربی الاول ۱۳۸۷ھ

تلمیذ: ڈاکٹر عبرت بہرائچی **استاد کا پتہ:** ناظر پورہ، بہرائچ

تعلیم: ایم.اے. اردو **مشغلہ:** تدریس (محکمۂ بیسک تعلیم)

انعام واعزاز: اردو محفل ایوارڈ، سعید عارفی ایوارڈ، جمال آزر ایوارڈ، غزل شری ایوارڈ، سیرت کمیٹی ایوارڈ، ساہتیہ رتن ایوارڈ وغیرہ ۱۵؍اسناد

مکمل پتہ: محلہ نورالدین چک، درگاہ شریف، ضلع بہرائچ۔

موبائل: 9415571277

تعارف

بھارت نیپال سرحد پر واقع ضلع بہرائچ تعلیمی میدان میں پسماندہ ہونے کے باوجود اس سلسلہ میں بہت بیدار ہے کہ ملک گیر شہرت کی حامل دو زبانیں یعنی اردو اور ہندی دونوں کا ماضی حال میں آکر مستقبل کے نئے نئے روپ دکھائے۔

ظفر محمد صاحب کے خلف رشید رئیس صدیقی ایک فعال نوجوان کی شکل میں معاشرے کے ہر خطہ میں متحرک رہے۔ بچپن سے ہی اردو شاعری کے دلدادہ موقع کے اشعار کہنے پر قدرت رکھتے آئے ہیں۔ جب وہ مندر کے احاطے میں غزل سرا ہوتے ہیں تو کہہ اٹھتے ہیں کہ ؎

پتھروں کے دل پگھل جاتے ہیں جس آواز سے
دوستو! تم بھی اسی انداز کی باتیں کرو

رئیس صدیقی کی ادبی عمر میرے اندازے کے مطابق ابھی پچیس برس سے زیادہ نہیں ہے لیکن اتنے قلیل وقفے میں ابتک جس تیزی سے اردو دنیا کے سارے چھوٹے بڑے فنونِ لطیفہ کو سیکھ کر کئی اعزازات سے سرفراز کئے جا چکے ہیں۔ جمالؔ آزر ایوارڈ، ڈاکٹر سعید عارفی ایوارڈ، حضور اکرمؐ کی ولادت باسعادت سے متعلق سیرت کمیٹی ایوارڈ، اکھل بھارتیہ ہندی ودھی پرتسٹھان ضلع بہرائچ کے ذریعہ ضلع جج کے ہاتھوں ساہتیہ شری ایوارڈ، کاویہ شری ایوارڈ، غزل سری سمان، نگر پالیکا پریشد بہرائچ سے کاویہ سری سمان، غزل رتن کے ساتھ ہی تقریباً نصف درجن دیگر ادبی تنظیموں کی جانب سے اعزازی سند و اردو محفل انعامات سے نوازے جا چکے ہیں۔ ایسے قابل قدر اعزازات کو حاصل کرنا، پانے والے اور دینے والے اور ساتھ میں پانے والے کے ہاتھ سے دینا شاید سب سے خوشگوار آپسی لین دین والا ادبی فریضہ ہے۔ رئیس صدیقی کے ادبی تعارف کے بطور شاید مندرجہ ذیل تین اشعار اردو زبان وادب کے آئینہ میں انکے قلم کی شبیہ دکھاتے ہیں۔

یعنی کسی سے پیار کے دو بول بولنا
پلکوں کو آنسوؤں سے سجانا ہے آجکل

اور آخر میں ایک بات جو اپنے اس چھوٹے سے مقالے کا شاید نچوڑ ہوگا پیش کرتا ہوں اور ہندی کی کویتاؤں کی چھوٹی چھوٹی مثالوں سے اپنی بات کہنا چاہوں گا۔ ادب کے احاطے میں عام طور پر کوئی بھی تخلیق کار اپنی کسی ایک تخلیق کے ایک حصہ سے مستقبل میں شہرت پاتے آئے ہیں۔ ''اے غم دِل کیا کروں'' سنتے ہی مجازؔ کا نام یاد آجاتا ہے۔ ''ہم پڑاؤ کو سمجھے منزل لکچھ ہوا آنکھوں سے اوجھل'' پڑھتے سنتے ہی شاعر سابق وزیر اعظم شری باجپائی کا نام سبھی لے لیتے ہیں۔ شوقؔ بہرائچی کے تعارف کے لیے ''ہر شاخ پہ الو بیٹھا ہے، انجام گلستاں کیا ہوگا!'' کو حوالہ کافی ہے۔ معروف ہندی کوی ماکھن لال چترویدی یاد آجاتے ہیں جب کوئی سناتا ہے۔

مجھے توڑ لینا بن مالی اس پتھ پر دینا تم پھینک
ماتر بھومی پر شیش چڑھانے جس پتھ جاتے ویر انیک

آسمان ادب کے درخشندہ ستارے ہوں یا افق زبان پر ٹمٹماتے دیئے ہوں، اردو بہرحال رشک کریگی جب کل ادبی مستقبل رئیس صدیقی کو ان کی غزل کے ان اشعار کو سنتے ہی گنگنا اٹھے گا۔

در بدر پھرو میاں! چلو چلیں کہ گھر بھی ہے
کہ راہ تکتی ہوگی ماں! چلو چلیں کہ گھر بھی ہے
کہاں یہ تم لے آئے ہو کہ یاد آتی ہیں مجھے
وہ میٹھی بولیاں، چلو چلیں کہ گھر بھی ہے

اور قارئین اپنی اس تحریر کے تمام تر عناصر جس میں کئی کئی پہلوؤں کی رئیس صدیقی کے حوالے سے وضاحت کی گئی ہے، بڑی دیانت داری سے صاحب معاملہ کے اپنے ہی شعر پر ختم کرنے کی تلاش میں آخر کار رئیس صدیقی کے مندرجہ ذیل شعر کو بہت ہی مناسب سمجھتا ہوں اور آپ کو پیش کرتا

ہوں۔رئیس صدیقی کہتے ہیں۔

یقیناً کسی کی نگاہ کرم ہے
سمندر میں کشتی چلی جا رہی ہے

سید خالد محمود، بہرائچ

نمونۂ کلام

۱

بے سہاروں کے سہاروں کو سلام — مصطفےٰ کے چار یاروں کو سلام
جن سے گزرے ہیں ہمارے مصطفےٰ — ان مقدس رہ گزاروں کو سلام
آسماں والے بھی ہیں کرتے دکھے — دین حق کے ذمہ داروں کو سلام
حور و غلمان و ملک نے ہیں کیے — دوش احمد کے سواروں کو سلام
جن کا ہر قطرہ بقائے دین ہو — ان لہو کے تیز دھاروں کو سلام
عظمتیں ہر گام پر کرتی رہیں — مصطفےٰ کے چار یاروں کو سلام
رفعتیں کرتی ہیں روز شب رئیسؔ
سبز گنبد اور مناروں کو سلام

۲

نہ تو منزلوں کی ہے جستجو، نہ کسی بھی جا کی تلاش ہے
مجھے ہر گھڑی مرے مہرباں ترے نقش پا کی تلاش ہے

ترا ذکر ہے مری بندگی، مری زندگی کی ہے آرزو
جسے پا کے تجھ سے میں مل سکوں، مجھے اُس قضا کی تلاش ہے

تجھے دیکھتا ہوں میں ہر گھڑی، تری ہر ادا میں ہے دِل کشی
مرے ہم نشیں میں بتاؤں کیا، مجھے کس ادا کی تلاش ہے

جو سکون دے جو قرار دے، مرے دِل کی دنیا سنوار دے
اسی ہم سفر کی تلاش ہے، اسی دِل ربا کی تلاش ہے

میں بہک رہا ہوں اے دوستو! مرے پاؤں اپنی جگہ نہیں
جو پلا کے مجھ کو سنبھال لے، اسی پارسا کی تلاش ہے

اسی راہ میں بڑے امتحاں سے گزرنا پڑتا ہے دہر میں
جو خودی نہ اپنی مٹا سکے، اسے کیوں خدا کی تلاش ہے

ہے زمانہ مجھ سے خفا تو کیا مجھے اسکا کوئی الم نہیں
جو پسند ہو میرے رب تجھے مجھے اس ادا کی تلاش ہے

ترے آستاں کا فقیر ہوں، اسی واسطے میں رئیسؔ ہوں
مری قدر شاہوں سے پوچھئے جنہیں اس گدا کی تلاش ہے

۳

بدلا ہوا مزاجِ زمانہ ہے آج کل		دشوار دوستی کا نبھانا ہے آج کل
گھر سے کوئی نکلنے کی ہمت نہ اب کرے		نفرت کی آندھیوں کا زمانہ ہے آج کل
بچنا نشیمنوں کا بہت ہی محال ہے		گلشن میں بجلیوں کا ٹھکانا ہے آج کل
دنیا نے مسکرانے کی اچھی سزا یہ دی		زخمی ہر ایک لب کا ترانہ ہے آج کل
یعنی کسی سے پیار کے دو بول بولنا		پلکوں کو آنسوؤں سے سجانا ہے آج کل
یہ وقت پھر نہ آئے گا لگ جایئے گلے		موسم بہت حسیں ہے سہانا ہے آج کل
دینا کسی کے ہاتھ میں ہاتھ اپنا اے رئیسؔ
اپنے وجود کو ہی مٹانا ہے آج کل

۴

گیسوؤں کو رُخ پہ وہ بکھرا گئے		کتنے بادل آسماں پر چھا گئے
طائرانِ خوش نوا نے دی صدا		اور ہم گھر سے چمن میں آگئے
ساقیٔ میخانہ کی ایسی نظر		بن پئے میکش نشہ میں آگئے
وعدۂ فردا بھی ان کا خوب تھا		پھول دِل کے بن کھلے مرجھا گئے
مل گئے جب وہ اچانک ایک دن		جانے کیا سوچا کہ وہ شرما گئے
تنگ آکر پتھروں کی مار سے		پتھروں سے آئینے ٹکرا گئے
سر کٹانے کی قسم کھاتے تھے جو		خوں کی چھینٹیں دیکھ کر گھبرا گئے
کیا پتہ تمکو نہیں ہے اے رئیسؔ
پانے والے منزلوں کو پا گئے

قطعات

بگڑا ہوا نصیب بھی بن جائے گا مرا
میں بات کر رہا ہوں امام حسینؑ کی
بہلول کی حیات کا لیجے تو جائزہ
عظمت پتہ چلے گی غلام حسینؑ کی

☆☆☆

تسلیوں کے لیے تم وفا کا نام نہ لو
جفائیں کھل کے کرو مصلحت سے کام نہ لو
جلا دو میرے نشیمن کو غم نہیں لیکن
خدا کے واسطے قسطوں میں انتقام نہ لو

☆☆☆

میرا مذہب یہ مجھ سے کہتا ہے
تم وطن کے شہید بن جانا
بات جب آئے ''دیش بھکتی'' کی
ویر عبدالحمید بن جانا

☆☆☆

ooOoo

لبوں پہ موج تبسم ہے، چشم پُرنم ہے
ہلال عید کے آغوش میں محرّم ہے

بہ قول ایمنؔ صاحب غموں سے ان کا چولی دامن کا ساتھ رہا تھا۔

غم پیہم سے پیری کو جوانی سونپ دی ہم نے
خزاں کے ہاتھ میں دے دی بہارِ زندگی ہم نے

ایمنؔ صاحب کے اس مجموعۂ کلام میں حمد، نعت، غزلیں، رباعیات، قطعات، نظموں کے علاوہ سلام، مناقب بھی شامل ہیں۔ دوسرا مجموعہ ''پھول اور کانٹے''، فخر الدین علی احمد میموریل کمیٹی، حکومت اتر پردیش سے اپریل ۱۹۸۶ء میں شائع ہوا تھا۔

ایمن صاحب کے موضوعات میں تنوع ہے۔ جہاں انہوں نے وطن کی عظمت اور متعدد مذہبی رہنماؤں کی عظمت کے گیت گائے ہیں، وہیں زندگی کی چھوٹی چھوٹی مسرتوں کو بھی اپنا موضوعِ سخن بنایا ہے۔ وہ غور و فکر کے بعد شعر کہتے تھے، جو اِن کی شائستہ مزاجی، متوازن اندازِ فکر اور پر خلوص جذبات کے مظہر ہیں۔ انکا طرز تحریر قدیم انداز کا ہونے کے باوجود اعلی علمی، ادبی، اور تہذیبی قدروں کا حامل ہے۔ ان کے فن میں گہرائی، تڑپ، معنی آفرینی اور غم دوراں دکھائی دیتا ہے جو بہت سے فنکاروں کے یہاں خال خال نظر آئے گا۔

مری روداد غم میری کہانی، داستاں میری
تمہیں سننا پڑے گی منہ میں ہے جب تک زباں میری
فصاحت میں، بلاغت میں، سلاست میں، لطافت میں
یہاں کی ہر زباں سے بڑھ کے ہے اردو زباں میری

ایمنؔ صاحب کی شخصیت کے بارے میں سب سے اہم ترین تاریخی بات یہ ہے کہ ان کے اسلاف سید سالار مسعود غازیؒ و ان کے والد سید سالار ساہوؒ، جو سلطان محمود غزنوی کے بہنوئی تھے، ان کے ہمراہ ہندوستان آئے تھے۔ مورث اعلی اولاً ضلع بارہ بنکی

سید ساغرمہدی

۱۹۳۶ء - ۱۹۸۰ء

جائے پیدائش: محلہ سیدواڑہ، ضلع بہرائچ، یو. پی.

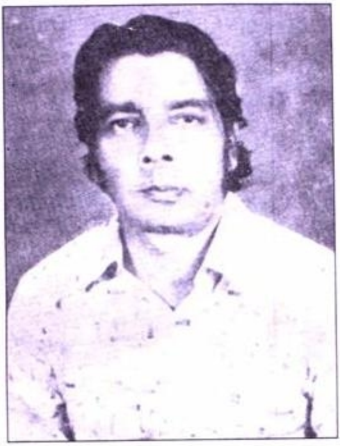

والد: جناب سید خورشید حسن زیدی **والدہ:** محترمہ رقیہ بیگم

تاریخ ولادت: ۱۴/جولائی ۱۹۳۶ء مطابق: ۲۴/ربی الثانی ۱۳۵۵ھ

تاریخ وفات: ۲۰/دسمبر ۱۹۸۰ء مطابق ۱۱/صفر ۱۴۰۰ھ

مشغلہ: تدریس

شعری تخلیقات: ا۔'دیوانجلی'،۲۔حرفِ جاں ،مطبوعہ: ۱۹۸۲ء

تعارف

شہر بہرائچ کے محلّہ سید واڑہ کے ایک سنجیدہ اور پروقار اور خوش پوش اور ہر دلعزیز شخصیت کا نام سیّد ساغر مہدی تھا۔ انکا مکان میرے مکان کے قریب میں ہی تھا۔ راستہ میں ملاقات ہونے پر میں ان کو احترام کے ساتھ سلام کیا کرتا تھا اور وہ صرف ہونٹوں کی جنبش سے جواب دے دیا کرتے تھے۔ میرا طالب علمی کا زمانہ تھا اور وہ ایک اسکول میں ٹیچر تھے۔

اہل سادات کی بستی میں ایک سنّی پٹھان کا مکان لوگوں کو تعجب میں ڈال دیتا ہے۔ میرے مکان کے ٹھیک سامنے شاہی امام باڑہ اور اسی سے ملی ہوئی ایک مسجد۔ امام باڑہ کی مجلسوں میں اپنے پڑوسی دوستوں کے ساتھ اکثر جانا ہوتا تھا۔ ساغر مہدی صاحب کو میں نے بارہا ممبر سے بطور ذاکر اُن کی مجلسیں سنی ہیں۔

ساغر مہدی صاحب کے لیے کہا جاسکتا تھا کہ وہ اپنے منہ میں سونے کا چمچ لے کر پیدا ہوئے یعنی ہر طرح سے خوش حال خاندان۔ والد سیّد خورشید حسن زیدی کا تعلق زمیندار گھرانے سے تو تھا ہی ساتھ ساتھ وہ شہر کے اچھے وکیلوں میں سے بھی تھے۔ لیکن ہونی کو کون ٹال سکا ہے۔ موت کے آہنی پنجوں نے بڑے بیٹے اصغر مہدی جنکی عمر چار سال تھی اور چھوٹے بیٹے ساغر مہدی جنکی عمر محض ڈیڑھ سال کی تھی کے سر سے باپ کا سایہ اُٹھا کر انھیں یتیم بنا دیا۔ دیکھتے دیکھتے ایک خوش حال گھرانہ کو پریشانیوں کے کالے بادلوں نے ڈھانک لیا۔ لیکن اللہ کی کریمی کی کوئی حد نہیں، ماں اور بچوں کی کفالت کی ذمہ داری ان کے ماموں سید ہدایت حسین زیدی متخلص قمرؔ، مقیم محلّہ سید واڑہ نے لی۔ وہ شہر کے معروف وکیل تھے۔ بہن اور بھانجوں کی کفالت مذہبی ذمہ داری کے ساتھ نبھائی۔

ہدایت حسین ادبی ذوق کے انسان تھے، گھر کے مردان خانہ میں اکثر ادبی محفلیں منعقد ہوتی رہتی تھیں۔ ان دونوں بچوں کی ڈیوٹی چائے پان وغیرہ پر لگتی ضرور تھی لیکن یہ بچے بھی ان محفلوں کا حصہ ہوتے تھے اور اسی لیے ان دونوں بچوں میں شعری ذوق پیدا ہوا۔

والد کے انتقال کے بعد ماموں نے والد کی کمی کو محسوس نہ ہونے دیا، اپنے بچوں کی طرح ان لوگوں کی پرورش کی ۔ ۱۹۵۴ء میں بڑے بھائی سید اصغر مہدی متخلص نظمی کراچی چلے گئے۔ ماں دِق کی مریضہ تھیں۔ ماموں کا سایہ بھی بہت دنوں تک قائم نہیں رہ سکا اور ۱۹۵۸ء میں وہ بھی ملک عدم کو رخصت ہو گئے۔

ملک عدم کو جانا ایک غیر ارادی عمل ہے، یہ عمل قدرت کے نظام کے تحت ہوتا ہے، جو پیدا ہوا ہے اُسے ملک عدم کو جانا پڑتا ہے۔ لیکن جو لوگ روزی روٹی کمانے کے سلسلہ میں غیر ملک کو جاتے ہیں وہ شاید یہ نہیں جانتے کہ اللہ ہر جگہ ایک ہی ہے، رزق دینے والا وہی ہے، بندہ رہے کہیں بھی۔ ابھی بھائی سے بھائی اور بیمار ماں سے ان کا بیٹا بچھڑا تھا، اس غم سے ابھی لوگ اُبھر بھی نہیں پائے تھے کہ ساغر مہدی جب انٹر کا امتحان ۱۹۵۸ء میں دے رہے تھے تبھی ان کو اپنے ماموں سید ہدایت حسین کے انتقال کی خبر ملی۔ ڈسٹرکٹ جج کی عدالت میں کسی مقدمے کی بحث کے دوران ان پر قلبی دورا پڑا جو جان لیوا ثابت ہوا۔ ساغر مہدی اور ان کی ماں کا یہ تیسرا المیہ تھا۔ ساغر مہدی کے کمزور کاندھوں پر گھر کی ذمہ داری کا بوجھ آپڑا تھا۔

ازراہ ہمدردی ضلع مجسٹریٹ بہرائچ نے ساغر کو اپنے دفتر میں ملازم رکھ لیا لیکن دفتری ماحول ان کو راس نہیں آیا۔ جوڑ توڑ، چغل خوری، غیبت، بد دیانتی، رشوت وغیرہ ان کے مزاج، تربیت کے خلاف ہونے کی وجہ سے ایک سال میں ہی یہ اُوب گئے اور نوکری کو چھوڑ کر گھر آ گئے۔

حادثات اور کرب ان کی زندگی سے جڑے تھے، ۳۱ر جولائی ۱۹۶۲ء کو ان کی والدہ کا بھی انتقال ہو گیا۔ تعلیم کا سلسلہ پھر سے شروع کیا اور ۱۹۶۷ء میں تعلیم مکمل کر کے ایک مقامی کالج میں شعبۂ اردو سے منسلک ہو گئے۔

بچپن میں میر انیسؔ کے مرثیے اور سلام و سوز والدہ مرحومہ یاد کراتی تھیں اور ہر روز آموختہ بھی سنا کرتی تھیں اور یہی وجہ تھی کہ ان کی طبیعت میں ایک خاص قسم کی موزونیت اور سوز و گداز پیدا ہو گیا اور ۱۹۶۰ء کے دہے میں وہ ایک سنجیدہ اور صاحب فکر شاعر کی شکل میں افق ادب پر ابھرے۔ ان

کے یہاں ایک حزنیہ لہجہ اور اُداس لَے ملتی ہے، انھوں نے خود اپنے حالات میں اپنی آواز تلاش کی ہے، وہ میرؔ، فانیؔ و جذبیؔ اور ناصرؔ کاظمی کے مرہون منت نہیں رہے۔ ابتدا میں فیضؔ اور سردار جعفری، مخدوم اور کیفیؔ ان کے پسندیدہ شاعر تھے لیکن دھیرے دھیرے صرف فیضؔ ہی ایسے شاعر تھے جن کا تاثر کسی نہ کسی شکل میں باقی رہا۔ فراقؔ کے لہجے نے بھی ان کے ذہن کو متاثر کیا۔ پروفیسر احتشام حسین، آل احمد سرور، اسلوب احمد انصاری، خورشید الاسلام اور ڈاکٹر محمد حسین وغیرہ کی تنقیدوں نے بھی کافی متاثر کیا۔ ڈاکٹر وزیر آغا وغیرہ کی تحریروں نے بھی ذہن کو بڑی حد تک بنایا۔

ساغرؔ مہدی کے یہاں زبردستی شعر کہنے کی روایت نہیں رہی ہے۔ ایک تخلیق سے دوسری تخلیق کے درمیان کئی لمبے فاصلے موجود ہیں۔ دوستوں کے پرخلوص شکایات کے باوجود بھی انھیں اپنا ذہنی سفر اور تخلیقی عمل عزیز رہا۔ ان کا کلام اندرون ملک اور بیرون ملک میں چھپتے رہے ہیں مثلاً 'شاعر' اور 'بلٹز' ۔ بمبئی، 'شب خون' اور 'شاہکار' ۔ الہ آباد، 'نئی قدریں' ۔ حیدرآباد، 'تحریک'، 'شمع' اور 'بیسویں صدی' ۔ دہلی، 'کتاب'، 'نیا دور' اور 'قومی آواز' ۔ لکھنؤ، 'انشا'، 'جائزہ'، 'نگار'، 'افکار' اور 'فنون' ۔ پاکستان۔

ملک کے بیشتر مشاعروں میں انھوں نے شرکت کی، مشاعروں کے وہ کامیاب شاعر بھی تھے۔ انھیں معلوم تھا کہ مشاعروں میں کس طرح کا کلام پسند کیا جاتا ہے اور اسی لیے مشاعروں کے لیے کلام الگ تیار کرتے تھے اور بہت چلتی دھنیں بناتے تھے۔

'حرف جاں' کے پیش لفظ میں ساغر مہدی صاحب خود رقمطراز ہیں: ''میں نے جس عہد میں آنکھیں کھولیں ہیں وہ سخت ٹوٹ پھوٹ، تبدیلی، انتشار اور بے چینی کا دور کہا جا سکتا ہے۔ نارسائی، احساس، تنہائی، شکست خوردگی اور اکیلا پن میرے عہد کا المیہ بھی ہے اور طربیہ بھی جس سے میں نے آنسوؤں کی شراب بھی کشید کی اور زخموں کے گلاب بھی کھلائے۔ میں نے جو کچھ کہا اور محسوس کیا ہے وہ قطعی طور پر میرا اپنا مشاہدہ اور مطالعہ ہے۔ زندگی کے تمام روشن اور تاریک پہلو میں نے بیحد قریب سے دیکھے ہیں۔ اس میں فیشن کا قطعی کوئی دخل نہیں۔ ہمارے عہد میں سانس لینے والے تمام

حساس انسانوں کے لیے یہ مسائل عصری ہیں جن کا احساس وادراک جدید اور انفرادی بھی ہوسکتا ہے۔میں نے جو کچھ کہا ہے میں جانتا ہوں کہ میں نے کیوں کہا ہے اور اپنے ایک ایک مصرعہ،شعر یا نظم پر باقاعدہ بحث کرسکتا ہوں اور بس''۔

ڈاکٹر عبرتؔ بہرائچی اپنی تخلیق 'نقوش رفتگاں' میں ساغر مہدی کو شاعری کے آئینہ میں دیکھتے ہوئے تحریر کرتے ہیں۔''ساغؔر علوم شعریہ پر کسی حد تک قدرت رکھتے تھے۔خداداد صلاحیت پہ ان کی شاعری کا انحصار تھا ان کے کلام کی خوبی یہ تھی کہ ان کے مضامین پاکستانی ہوتے تھے اور لباس ہندوستانی ہوتا تھا۔قدامت کے دلدادہ تھے اور جدیدیت کے پرستار تھے۔منفرد لب ولہجہ کے شاعر تھے۔ان کے کلام میں اشاریت اور رمزیت کے اچھے اچھے اشعار ملتے ہیں۔ساغؔر نے اپنے غم کا کبھی کھل کر اظہار نہیں کیا۔لیکن گھر کی ویرانی اور وحشت پر جس طرح روئے ہیں،جس طرح ماتم کیا ہے وہ ان کے غم کا غماز ہے۔گھر کی راتیں اور باہر کے دن دونوں ساغؔر کے لیے غم کے دو نام تھے۔وجود غم سے عبارت تھا وہ غم زدہ دل لیکر پیدا ہوئے تھے۔ورنہ غم کے زانوں پر انھیں نیند نہ آتی۔وہ ساری عمر بیقرار رہے،مضطرب رہے۔جب بھی کوئی زنجیر ڈھیلی ہوتی یا کوئی راہ مل جاتی وہ بیقرار ہوجاتے لیکن غم انھیں پھر دبوچ لیتا تھا۔ان کو قوت شعر گوئی لہکتے مہکتے انداز میں ظاہر ہوتی تھی۔اوران کے تاثرات کو حسین خیال آفرینی اور بہت طرح دار اسلوب بیان کے پیکر میں رونما کردیتی تھی۔ان کے یہاں زندگی کے حوصلہ مندی ہے نگاہ کی مستی ہے،اوعرقدم کے فاتحانہ انداز ہیں۔ان کی انفرادیت شعوری احساس کے ساتھ ان کے کلام میں نمایاں رہتی تھی۔ان کے یہاں خطیبانہ بلند آہنگی بھی ملتی ہے۔ساغؔر بڑے سلیقہ کے ساتھ اپنے مقاصد کو ایک سلجھے ہوئے مربوط فکری پہلو میں رعنائی ودلکشی کے ساتھ پیش کرتے تھے۔ان کی طبیعت میں غور وفکر استغراق بھی تھا۔اور مذہب کی تڑپ بھی''۔

ساغر اپنے ہی قیام گاہ پر منعقد ہونے والی بزم مسالمہ،ممبر پر سلام پیش کرتے وقت جیسے ہی یہ شعر زبان پر آیا۔

لٹا کے اپنا سبھی کچھ پیمبروں کی طرح : صداقتوں کا امیں موت کے دیار میں تھا

ممبر سے نیچے گر پڑے، چیخ نکلی پانی مانگا، غشی طاری ہوگئی۔ اسپتال لے جاتے وقت راستے میں ہی انتقال ہوگیا۔ مرحوم کی جسد خاکی کو ہزاروں سوگواروں کے بیچ شہر بہرائچ کے کربلا کے باہر سپرد خاک کردیا گیا۔

کل کتب خانوں کی ہم لوگ بھی زینت ہوں گے
ہر حقیقت کے مقدر میں فسانہ ہے یہاں

شمیم اقبال خاں

نمونۂ کلام

۱

اپنا غم بے لباس کیا کرتے　　دوستوں کو اُداس کیا کرتے
تیری آنکھیں تھیں میکدہ لیکن　　اپنے ہونٹوں کی پیاس کیا کرتے
ہم کو اپنا لہو ہی پینا تھا　　پھر بدل کر گلاس کیا کرتے
آپ سے حالِ دِل چُھپا تو نہ تھا　　آپ سے التماس کیا کرتے
آنہ جاتے جو باغ میں بھونرے　　پھول اپنی مٹھاس کیا کرتے
لمحہ لمحہ بدلتی دنیا میں　　وضعداری کا پاس کیا کرتے
سب تو چہروں سے اپنے تھے محروم　　آئنے انعکاس کیا کرتے
تجھ پہ اپنا گمان جب نہ ہوا　　خود پہ تیرا قیاس کیا کرتے
لاکھ چہرے تھے ایک چہرے پر　　پھر قیافہ شناس کیا کرتے

سارا عالم تھا ایک ساغر میں
جا کے دُنیا کے پاس کیا کرتے

۲

اس کارگاہِ شیشہ گراں سے نکل چلیں — آ! اے دلِ شکستہ یہاں سے نکل چلیں
اب جی یہ چاہتا ہے یہاں سے نکل چلیں — اندیشہ ہائے سود و زیاں سے نکل چلیں
کچھ دیر کے لیے ہی طبیعت بحال ہو — کچھ دیر کے لیے ہی یہاں سے نکل چلیں
یا یہ کہ سوجتن سے ہم آئے تھے اس جگہ — یا یہ کہ چاہتے ہیں یہاں سے نکل چلیں
آنکھیں ترس رہی ہیں کھلے آسمان کو — اب قید و بندِ چارہ گراں سے نکل چلیں
پہرے لگے ہوئے ہوں جہاں ہر مقام پر — اے دِل تو ہی بتا کہ کہاں سے نکل چلیں

(ہسپتال سے ۲۰؍اکتوبر ۱۹۸۰ء)

۳

ساون کبھی ملا نہ گھٹائیں ملیں ہمیں — جلتی ہوئی بدن میں چتائیں ملیں ہمیں
کیسی یہ زندگی کی دعائیں ملیں ہمیں — محسوس ہو رہا ہے سزائیں ملیں ہمیں
سہمی ہوئی لبوں پہ صدائیں ملیں ہمیں — دَم گھٹ کے رہ گیا وہ فضائیں ملیں ہمیں
سب بجھ گئے چراغ تو شب کی فصیل پر — سر پیٹتی ہوئی یہ ہوائیں ملیں ہمیں
کُھل کر کسی سے مل نہ سکے ہم بقدرِ شوق — تہذیب کی وہ تنگ قبائیں ملیں ہمیں
ہر شخص کر رہا تھا جہاں بعیتِ یزید — ایسی بھی چند کرب و بلائیں ملیں ہمیں
سچ بولنا درست مگر ہر جگہ نہیں — بچوں کو ڈانٹتی ہوئی مائیں ملیں ہمیں
جو وقت کہہ رہا تھا وہ پڑھنے کی چیز تھی — کاغذ پہ یوں تو لاکھ کتھائیں ملیں ہمیں
گرتے ہوئے درخت کا ساتھی کوئی نہ تھا — لپٹی ہوئی مگر یہ لتائیں ملیں ہمیں
بنسی کی تھی صدا نہ کہیں کرشن کی جٹا — گوکل میں چیختی ہوئی گائیں ملیں ہمیں
دریا ہر ایک سوکھ گیا ہم کو دیکھ کر — کہنے کو سر پہ شیو کی جٹائیں ملیں ہمیں

④

تم ایک خط میں یہ لفظوں کا سلسلہ رکھنا
ہر ایک لفظ کا مفہوم دوسرا رکھنا

تمھارے لب کی مہک راز فاش کر دیگی
لفافہ بند نہ کرنا یونہی کھُلا رکھنا

میں زندگی میں کبھی تم سے مل بھی جاؤنگا
یہ شرط ہے کہ بچھڑنے کا حوصلہ رکھنا

نہ اتنا ٹوٹ کے ملئے کہ دِل کو شک گذرے
خلوص میں بھی ضروری ہے فاصلہ رکھنا

ہمارا کیا ہے کہ بے چہرگی میں مست ہیں ہم
کبھی تم اپنے مقابل بھی آئینہ رکھنا

نہیں حُسین مگر حرف حق تو زندہ ہے
مرا خیال بھی اے دشتِ کربلا رکھنا

میں اپنی ذات کو بھی مطمئن نہ کر پایا
وہ کہہ گیا تھا زمانے کو ہم نوا رکھنا

عجب دورِ نمائش ہے، کیا کہوں ساغرؔ
مجھے محال ہوا گھر میں بوریا رکھنا

⑤

کچھ ان کی حقیقت کا انہیں بھی تو پتہ دیں
آئینہ گروں کو چلو آئینہ دکھا دیں

ہونٹوں پہ وہی نغمۂ جاں سوز سجا دیں
پھر تیز ہواؤں میں کوئی شمع جلا دیں

ٹکرا کے ہر آواز ہوئی جاتی ہے زخمی
احساس کا قصّہ ہے سنو تم کو سنا دیں

آوارہ نصیبوں کا نہ مسکن نہ ٹھکانہ
آ! اے شبِ ہجراں تجھے باہوں میں سلا دیں

بچھڑے ہیں جو تجھ سے تو یہ معمول ہے اپنا
بیٹھے ہوئے دیکھیں تو پرندوں کا اُڑا دیں

ہم مثلِ گل و لالہ ابھرتے رہے ساغرؔ
چاہا تو یہ دنیا نے کہ مٹّی میں ملا دیں

معروف اشعار

گلو بریدہ سبھی ہیں مگر زہے توقیر بلند نوکِ سناں پر یہ سر اکیلا ہے

☆☆☆

کتنی محدود تھیں مظلوم سروں کی فصلیں قتل گاہیں تھیں مگر لا متنا ہی کیسی

☆☆☆

متاع قلب و جگر کس کو سونپ دوں ساغرؔ ہجوم بے ہُنری میں ہنر اکیلا ہے

☆☆☆

بیٹھا ہوں کب سے محفلِ غمِ ناشناس میں خود اپنی حسرتوں کا لہو ہے گلاس میں

☆☆☆

لطیف بات بھی احباب کو کھٹکتی ہے نہ جانے کون سا کانٹا مری زبان میں ہے

☆☆☆

گھر سے گھبرا کے جو نکلا تو بولی دہلیز پاؤں شل ہوں گے تو پھر لوٹ کے آنا ہے یہاں

☆☆☆

اجنبی لوگ بھی ملتے ہیں شناسا کی طرح یہ عجب طرح کی سوغات ہے شہروں شہروں

☆☆☆

یہ فکر کر کہ بدل جائے ظلمتِ احساس سحر تو ہو کے رہے گی سحر کی فکر نہ کر

☆☆☆

ooOoo

شمیم اقبال خاں

۱۹۴۶ء

جائے پیدائش: محلّہ قاضی پورہ، ضلع بہرائچ، یو. پی.

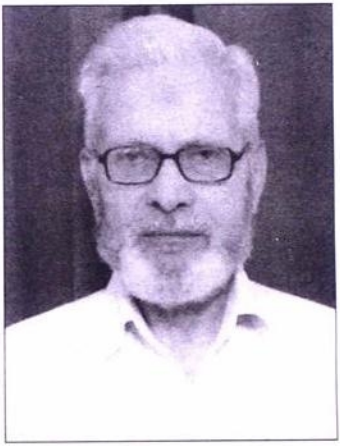

والد: جناب محمد صابر خانصاحب **والدہ:** محترمہ رحمت النساء بیگم صاحبہ

تاریخ ولادت: ۱؍ستمبر ۱۹۴۶ء مطابق: ۵؍شوال ۱۳۶۵ھ

تعلیم: بی.اے. **مشغلہ:** پولیس محکمہ سے سبکدوشی کے بعد دین وادب کی خدمت۔

انعام واعزاز: ☆ ریاستی حکومت سے امتیازی خدمات کا اعزازی نشان (۱۹۹۴) ☆ آزادی کی سلور جبلی پر مرکزی حکومت کا میڈل (۱۹۹۷ء) ☆ صدر جمہوریہ کا پولیس میڈل (۱۹۹۸ء) ☆ محکمہ سے مختلف نقد انعامات وتوصیفی اسناد ☆ اتر پردیش راجیہ سڑک پریوہن نگم کی طرف سے تاعمر مفت پاس۔

میں رہتے تھے۔ اس کے بعد انھیں کے خاندان میں سے مرزا ولی بیگ صاحب بہرائچ تشریف لے آئے۔ ایمن صاحب کا شمار انہیں کی چھٹی پشت میں ہوتا ہے۔

''محمد ایزاد بیگ ابن مرزا شہزاد بیگ ابن مرزا عبداللہ بیگ ابن مرزا جواہر بیگ ابن مرزا امام بیگ ابن مرزا ولی بیگ۔''

ایمنؔ صاحب کے جد محترم حکیم مرزا عبداللہ بیگ مرحوم طبابت میں کافی دخل رکھتے تھے، شاعر بھی تھے اور 'عبد' تخلص رکھتے تھے۔ ایمن صاحب کے والد مرزا شہزاد بیگ مرحوم اولاً محکمہ پولیس میں ملازم رہے پھر استعفا دیکر بسلسلہ ملازمت ریاست نانپارہ آ گئے۔ یہیں ۳ رنومبر ۱۹۱۷ء مطابق ۱۶ ارمحرم الحرام ۱۳۳۶ھ کو ایمن صاحب کی ولادت ہوئی۔

ایمنؔ صاحب دس سال ریاست نانپارہ میں ملازم رہے۔ اردو کی خدمت کرنا ان کا پسندیدہ مشغلہ تھا۔ انجمن ترقی اردو نانپارہ ۱۹۵۳ء میں چند احباب اور بزرگوں کے تعاون سے انھوں نے جنتا (انٹر کالج) کالج، نانپارہ میں قائم کیا اور ضلع پریشد کی ملازمت چھوڑ کر اپنے اسکول میں اردو پڑھانے لگے اور ۱۹۵۵ء سے ۱۹۷۷ء تک ۲۲ سال اردو کے استاد رہ کر یہیں سے رٹائر ہوئے۔

دبایا جاؤں گا جتنا بھی میں اتنا ہی ابھروں گا
میری فطرت میں داخل ہے دبانے پر اُبھر جانا

انجمن ترقی اردو کی دستخطی مہم میں اور ۱۹۵۱ء سے لگاتار مردم شماری کے کاموں میں اردو زبان کے تحفظ میں موصوف کا نمایاں کردار رہا تھا۔ آپ کے زیر تربیت رہ کر بے شمار افراد ادیب، ادیب ماہر اور ادیب کامل و اردو معلم کی اسناد حاصل کر چکے ہیں اور بی.اے. اور ایم.اے. اردو کے امیدوار آپ سے استفادہ کرتے رہے ہیں۔

تخلیقات:

☆ مشاعرہ جشن لکھنؤ ۲۰۰۵ (ہندی) مطبوعہ ۲۰۰۶ء
☆ سچے موتی (اردو) مطبوعہ ۲۰۰۸ء
☆ مائکروسافٹ آفس (ہندی) مطبوعہ ۲۰۰۸ء
☆ طوفان: دیوانِ شوق بہرائچی، مطبوعہ ۲۰۱۱ء
☆ ذہیب جنرل نالج (اردو) مطبوعہ اردو اکاڈمی سے انعام یافتہ ۲۰۱۴ء
☆ دبستان بہرائچ مطبوعہ ۲۰۱۵ء
☆ پروفیسر ملک زادہ منظور احمد کی وفاتی تحریروں کا مجموعہ 'کسک' زیر طبع
☆ مختلف موضوعات پر کتابچے (اردو، ہندی)
☆ مشاعرے، لکھنؤ مہوتسو ۲۰۰۶ و ۲۰۰۷ء (ہندی) غیر مطبوعہ
☆ جشن لکھنؤ کے مشاعرے ۲۰۰۱ تا ۲۰۰۷ء (اردو، ہندی) غیر مطبوعہ
☆ دلاور فگار، منتخب کلام (ہندی) غیر مطبوعہ
☆ نوابی اودھ (اردو، ہندی) غیر مطبوعہ
☆ اردو اخبارات میں مراسلے و مضامین
☆ ہندی رسالوں میں شائع متعدد مضامین

مکمل پتہ: ۲۳/۱۶۰ اپرکاش لوک وستار، اندرا نگر، لکھنؤ۔ ۲۲۶۰۱۶

موبائل: 9506953183، فون۔ 0522-2354024

تعارف

یہ خاکسار بھی اُسی بہرائچ کی پیداوار ہے جو بھارت نیپال کی سرحد پر واقع ہے۔ یہ جملہ اس کتاب میں آپ نے کئی بار پڑھا ہوگا۔ ہوسکتا ہے کہ اسے بار بار پڑھ کر بور بھی ہوئے ہوں۔ لیکن یہ حقیقت ہے اور حقیقت سے بھاگا نہیں جا سکتا۔ میرا ادبی پس منظر 'زیرو' رہا ہے۔ میرے زمانے تک اسکولوں سے اردو ختم ہو چکی تھی لیکن گھروں پر عربی اردو پڑھانے کا سلسلہ جاری تھا جیسا کہ کہیں کہیں آج بھی ہے۔ اُس وقت بچوں کے لیے 'کھلونا'، 'بانو' وغیرہ رسالے تھے۔ کچھ بڑے ہونے پر ابن صفی کی جاسوسی دنیا، فلمی رسالہ 'شمع' اور ادبی رسالہ 'بیسویں صدی' کی وجہ سے اردو پڑھنا تو آ گیا لیکن لکھنا۔۔۔۔۔ اللہ کی پناہ! اور جب کمپیوٹر آ گیا تو لکھنا بھی آسان ہو گیا۔

میرے دادا محمد نادر خاں صاحب محکمہ جنگلات میں ڈپٹی رینجر تھے اور میرے والد محمد صابر

خاں صاحب نے بھی محکمہ جنگلات میں ملازمت شروع کی تھی لیکن لمبی علالت کی وجہ سے ملازمت چھوٹ گئی۔اسی بیچ پاکستان کا ڈرامہ شروع ہو گیا اور لوگ ڈرامہ کو دیکھنے کے لیے بھاگنے لگے، کچھ اِدھر سے اُدھر اور کچھ اُدھر سے اِدھر۔نتیجہ یہ ہوا کہ میرے والد وغیرہ پاکستان جانے کے انتظار میں نہ کچھ کر پائے اور نہ ہی (خدا کے شکر سے) جا پائے۔پاکستان کے وجود سے کافی لوگ بن گئے اور کافی لوگ مِٹ بھی گئے۔مٹنے والوں میں میرا خاندان بھی تھا۔میرے دادا کا انتقال ۱۹۴۰ء میں ہوا،۲۷ سال ہوئے ہیں ان کے انتقال کے لیکن پرانے لوگ ابھی مجھے نادر خاں کے پوتے کے رشتہ سے ہی پہچانتے ہیں۔

۱۵؍فروری ۱۹۶۸ء کو مجھے پولیس آفس بہرائچ میں، شری رامیشور دیال شرما، آئی۔پی۔ایس۔، پولیس کپتان بہرائچ نے ۲۵؍کینڈیڈیٹ میں خاکسار کو ایک مختصر سے انٹرویو کے بعد منسٹیریل کانسٹبل میں بھرتی کر لیا۔۳۱؍اگست ۲۰۰۶ء کو پولیس انسپکٹر کے عہدے سے عزت کے ساتھ سبکدوش ہوا۔مجھے محکمہ سے بڑی تعداد میں انعام واکرام تو ملے ہی اچھی اور **عمدہ کارکردگی کے لیے صدر جمہوریہ ہند کے 'پولیس مڈل' سے بھی نوازا گیا۔** یہ بڑا اعزاز ہوتا ہے اور بہت کم لوگوں کو مل پاتا ہے۔اسی اعزاز کی بنا پر 'پریوہن وبھاگ، اتر پردیش' نے اتر پردیش روڈویز کی بسوں پر تاعمر مفت سفر کا پاس جاری کیا ہے۔

بچپن میں میرے پرانے گھر، جو محلّہ قاضی پورہ میں واقع تھا، کے سامنے سید ریاست حسین رضوی شوقؔ بہرائچی رہا کرتے تھے، اور دکھن میں سید اطہر حسین رضوی یعنی جناب کیفیؔ اعظمی کے والد سید فتح حسین رضوی بھی رہتے تھے۔کیفیؔ اعظمی کا بچپن اُسی مکان میں گزرا۔مغرب میں تھوڑی دوری پر بابا جمالؔ کا دولت خانہ تھا۔جب ہم لوگ قاضی پورہ سے منتقل ہو کر سید واڑے کے مکان میں آئے تو یہاں بھی ساغرؔ مہدی صاحب اور محسنؔ زیدی صاحب کا پڑوس ملا۔میرے گھر کے بالکل سامنے امام باڑے میں جناب زوار حسین صاحب کا مسکن اور اس میں شعرا حضرات کا ماہانا جمگھٹ۔ میرے رشتہ داروں میں بھی مضبوط شعرا حضرات کی لمبی فہرست مثلاً ماسٹر عبدالغفار خاں شہرتؔ بہرائچی، جناب عبدالرحمٰن خاں وصفیؔ، ڈاکٹر نعیم اللہ خیالیؔ اور چالیس کتابوں کے مصنف ڈاکٹر عبدالعزیز خاں

عبرتؔ بہرائچی۔ نعمتؔ بہرائچی سے اچھے تعلقات۔ انکے بارے میں تھوڑا سا آپ کو بتا تا چلوں:

نعمتؔ بہرائچی غزل کے سنجیدہ شاعر تھے لیکن طبیعت میں بہت مزاح تھا۔ چوک بازار میں انکی کراکری کی دوکان تھی۔ رام رنگ سنگھ اُس وقت شہر کوتوال تھے اور شام کو اپنے خاص کارندوں کے ساتھ گشت میں نکلتے تھے۔ ایک دِن وہ نعمتؔ صاحب کی دوکان میں داخل ہوئے اور چائے کا سیٹ دیکھنے لگے۔ اسی بیچ میں ایک پیالی گر کر ٹوٹ گئی۔ کوتوال صاحب نے کہا' ارے..ارے معاف کیجئے گا' (حالانکہ پولیس والوں سے اتنی شائستگی کی امید نہیں کی جا سکتی۔ خیر!)۔ اب نعمت صاحب کی ظرافت دیکھئے، بولے'' کوئی بات نہیں صاحب! آپ لوگوں کو دیکھ کر اچھے اچھے ٹوٹ جاتے ہیں یہ تو بیچاری چینی ہے''۔

ایک دِن میں اور میرے بچپن کے دوست سید محمد طاہر نقوی ان کی دوکان کے سامنے سے گزرے ابھی تھوڑا آگے بڑھے ہی تھے کہ ایک لڑکا دوڑتا ہوا آیا اور میرے ہاتھ میں ایک پرچہ تھما کر دوڑتا ہوا واپس چلا گیا۔ اس پرچہ میں نعمت صاحب نے ایک شعر تحریر کر کے بھیجا تھا۔

وہ گھڑی و ساعت یارو! بڑی قتین ہوتی ہے
جب کبھی 'شین' کے ہمراہ' چھوٹی سین' ہوتی ہے

یہاں 'شین' اور 'چھوٹی سین' سے مراد شیعہ اور سنی ہے۔ طاہر صاحب شیعہ اور میں سُنی، اور ہم دونوں کے لیے یہ شعر۔ بہر حال نعمتؔ صاحب سے بے تکلفی بھی میرے شاعر بننے میں مددگار نہیں ہو سکی۔ اتنے شاعروں کی قربت کا وقار داؤں پر لگا ہوا تھا لیکن میری حِس کی بے حسی برقرار تھی۔

اس کے علاوہ رات رات بھر بیٹھ کر مشاعرہ سننے اور نوٹ کرنے کا شوق الگ، سیکڑوں اشعار زبان زد، دوستوں سے بات چیت میں موقعہ محل اشعار کا استعمال، ان سب کے باوجود ایک شعر موضوع کرنے سے قاصر۔ بہر حال اللہ جو کرتا ہے اچھا ہی کرتا ہے کم سے کم میرے والد کو شرمندگی کے ساتھ تو یہ نہیں کہنا پڑا'' میرا ایک ہی لڑکا تھا وہ بھی شاعر نکل گیا''۔

جب مجھے زیادہ غیرت آنے لگی تو میں نے ہندی میں تُک بندی کرنے کی سوچی۔ اور پھر ایک کے بعد ایک کر کے کئی تُک بندیاں تیار ہو گئیں تو میں نے بے کھٹک ان کو 'کویتا' کا نام دے دیا۔

آزادنظم کی طرح سے میری کئی تک بندیاں اردو اخباروں میں شائع ہوگئیں۔

ایک بڑی ستم ظریفی یہ ہے کہ اردو ادب میں مزاح کو کوئی مقام ہی نہیں دیا گیا ہے۔اگر کوئی بات خوش گوار ماحول میں کہی جاتی ہے تو وہ زیادہ موثر ہوسکتی ہے بہ نسبت اُس بات کے جو ناک بھوں چڑھا کر سنجیدگی کا جامہ پہنا کر کہی جائے۔

کیفیؔ اعظمی کا ایک سنجیدہ شعر ملاحظہ فرمائیں۔

ایسی مہنگائی ہے کہ چہرا بھی
بیچ کر اپنا کھا گیا کوئی

اسی سلسلہ میں شوقؔ بہرائچی کا مزاحیہ انداز۔

عزت رکھی گرانی میں یہ مفلسی نے خوب
بندہ نواز دھوتے ہیں اب ہاتھ گھی سے ہم

اس شعر کو کس حد تک غیر ادبی کہا جاسکتا ہے؟

ہمارے چہرے پر اگر مسکراہٹ ہے تو ہم صحتمند دکھائی دینگے ورنہ ہر کوئی کانگریس پارٹی کا چناوی نشان والا پنجہ دکھا کر اور آگے پیچھے جنبش دیتا ہوا پوچھے گا ''اماں! خیریت ہے، کیوں منہ لٹکائے ٹہل رہے ہو؟''۔ ہمارا ادب بھی ایسا ہی ہونا چاہئے جسے پڑھ کر ہمارا دل ودماغ 'خشک' نہیں بلکہ 'خوش' ہوجائے۔

شمیم اقبال خاں

نمونۂ کلام

۱

آج کا محمود

پُروہت جی!
کِن وِچاروں میں غوطہ کھا رہے ہو؟
اِس موٹے چشمے سے آکاش میں کیا گھور
رہے ہو؟
کچھ نہیں جَجمان!، میں ہوں بڑا پریشان
میں یہ سوچ رہا تھا،
ایک محمود تھا
غزنی سے آتا تھا
ہم کو لُوٹتا تھا
اور واپس چلا جاتا تھا
اور ہمارا حال بقول 'اقبالؔ'
''ہاتھ پر ہاتھ دھرے منتظرِ فردا ہو''
جیسا تھا
یعنی ہم کچھ نہیں کر پاتے تھے
آج بھی کچھ نہیں کر پاتے ہیں
دِل مسوس کے رہ جاتے ہیں
'محمود' کا کام بند نہیں ہوا ہے
وہ آج بھی کیا جا رہا ہے
فرق صرف اتنا پڑ گیا ہے
آج کا محمود، غزنی سے نہیں آتا ہے
وہ یہیں رہتا ہے
اپنی ہی قوم کو لوٹتا ہے
اور لُوٹ کا سارا مال
'سوئس بینک' کو دے آتا ہے
پھر 'گُرو' سے کہتا ہے
''ہم بھارتیئے ہیں''

۴
گڈورک

ایک افسر، دفتر سے جب گھر آیا
لان میں گائے کو نہ دیکھ، بہت گھبرایا
ارے یہ تو حد ہوگئی،
میری گائے چوری ہوگئی
جھٹ موبائل نکالا، تھانے کا فون ملایا
گائے کی حُلیہ بتائی، چوری کی رَپٹ لکھائی
دُکھی مَن سے گھر کے اندر آیا
بیوی کو سہیلیوں میں ہنستا پایا
اُسے غصّہ آ گیا، چہرہ لال ہوگیا
سہیلیاں بھانپ گئیں، پرس اُٹھا کر کِھسک گئیں
صاحب پہلے گرجے، پھر پاؤں پٹک کر برسے
تمہاری لاپرواہی کیا کر گئی؟
میری گائے چوری ہوگئی
تُم بیٹھو میں ابھی آتی ہوں
تمہارے لیے چائے لاتی ہوں
گھبرانے کی کوئی بات نہیں
چوری کی واردات نہیں
باہر دھوپ آ گئی تھی، گائے گرمی کھا گئی تھی
'رامو' نے اُسے کھولا تھا، پیچھے لے جا کر باندھا تھا
صاحب کو تسلّی ہوئی، طبیت کھسیانی بلّی ہوئی
اِدھر چائے میز پر بجی، اُدھر فون کی گھنٹی بجی
صاحب بولے ''کون ہے بھائی''
دوسری طرف سے آواز آئی
''حضور! میں ہوں آپ کا خدمتگار
یعنی 'غازی پور' کا تھانے دار
حضور بڑھیا کام ہوگیا ہے، چور پکڑا گیا ہے
اُس نے اقبالِ جُرم بھی کرلیا ہے
بس تھوڑی کوشش کی جائے گی
تو گائے بھی برامد ہوجائے گی

۶

ہوشیاری

'ٹی ٹی' گیٹ پر موجود تھا
مسافروں پر کڑی نظریں رکھے تھا
مسافر جو بھی باہر جاتا تھا
ٹی ٹی اُس سے ٹکٹ لے لیتا تھا
جب میری باری آئی
میں نے باہر کو دوڑ لگائی
ٹی ٹی نے کیا میرا پیچھا
دوڑ کر میرا کالر کھینچا
واہ بیٹا! مجھ سے بھاگتا ہے
میری آنکھوں میں دھول جھونکتا ہے
کر کے اپنی آنکھیں لال
مجھ سے بولا ٹکٹ نکال
اُسے جب اپنا ٹکٹ دکھایا
تو وہ بہت چکرایا
تو بھاگا کیوں؟
تیرے پاس ٹکٹ تو تھا!
بات یہ ہے 'ٹی ٹی جی'
میرا ساتھی جو میرے پیچھے تھا
وہ بیچارہ بلا ٹکٹ تھا۔

۵
کوڈبل پاس

پہلوان نے کھولی چائے کی دوکان
اُس کو سمجھو محلّہ کی شان
پڑھے، بے پڑھے سبھی آوت ہیں
اخبار پڑھ کے 'نالج' بڑھاوت ہیں
اِس کے سہارے چائے بِک جات ہے
دوکان کی رونق بھی کچھ بڑھ جات ہے
میاں کلّو منھ میں بیڑی دبائے
اُردو اخبار پر نظریں جمائے
یکا یک چونکے اور زور سے چلائے
حد ختم ہے تعصب و من مانی کی
دعویٰ کرت ہیں بھائی چارے کی
اِبکی اُوٹ اُنکو ہم نہ دیب
مانگے آویں تو دیکھ لیب
ہم نے کیا ہے اُن پر بہت 'وِشواس'
انھوں نے کر دیا ہمارا ستیاناس
ہم جلاہوں کے لیے سوت نہ کپاس
ہندوؤں کو دے دیا ہے ''ڈبل پاس''
پہلوان بولے ارے او 'کلّو بھائی!'
پڑھو ٹھیک سے، نہ کرو جگ ہنسائی
پڑھ ڈالا ہے تم نے ''ہندو کوڈبل پاس''
بھیّہ! لکھا ہے ''ہندو کوڈ بل پاس''

ooOoo

شانِ عالم مسعودی (شانِ عالم مسعودی)

۱۹۸۵ء

جائے پیدائش: محلہ شیخیاپورہ، ضلع بہرائچ، یو. پی.

والد: جناب عبدالغفار صاحب   والدہ: محترمہ کلیمن صاحبہ

تاریخ ولادت: ۱۱/جولائی ۱۹۸۵ء مطابق: ۲۲/شوال ۱۴۰۵ھ

تعلیم: عالم، معلم اردو   مشغلہ: خدمت اردو (شاعری)

تخلیقات: نعتیہ مجموعہ زیرِ طباعت

انعام واعزاز: سلطان الشہدا ایوارڈ، حضرت بسم اللہ شاہ ایوارڈ ۲۰۰۸ء۔ لقب 'شاعرِ غازی'۔

مکمل پتہ: محلہ شیخیاپورہ، بہرائچ، یو. پی.

موبائل: 9839747313, 9454022786

تعارف

حضرت سید سالار مسعود غازیؒ کے شہر بہرائچ سے تعلق رکھنے والے علماء ادباء اور شعراء کی ایک عظیم تاریخ ہے، جسے احاطۂ تحریر میں لانا مشکل امر ہی نہیں، بلکہ جوئے شیر لانے کے مترادف ہے۔ اردو ادب کو ملکی و غیر ملکی سطح پر جو فوقیت، شہرت اور مقام حاصل ہے، اس میں اس سرزمین کا خاصہ دخل ہے۔

شوقؔ بہرائچی، بابا جمالؔ بہرائچی، بلبل ہند علامہ مفتی رجب علی قادری رجبؔ نانپاروی، وصفیؔ بہرائچی، شفیقؔ بریلوی، نعمت بہرائچی سمیت دور حاضر میں بھی ایسے درجنوں قابل ذکر نام ہیں جنہوں نے نظم ونثر کے حوالے سے اردو ادب کی ناقابل فراموش خدمات انجام دی ہیں اور دے رہے ہیں۔ شانِ عالم مسعودی کی شکل میں اس سرزمیں پر ایک طفل مکتب نے بعہد طفلی، دوران تعلیم ہی میں نہ صرف اردو شاعری کی ڈگر پر قدم رکھا بلکہ فی البدیہہ شاعر ہونے کا شرف بھی حاصل کیا۔ اس اچھوتے فن کی دولت، دینی رغبت اور نعتیہ شاعری کے صدقہ وطفیل ہی میسر ہوئی۔ محلّہ ششیا پورہ، بہرائچ جہاں فنافی اللہ فنافی الرسول کے منصب پر فائز ہونے والے حضرت شاہ نعیم اللہ بہرائچی، حضرت شاہ بڈھن بہرائچی نے جنم لیا۔ محلّہ ششیا پورہ چھوٹی بازار چوراہے سے کچہری روڈ شاہراہ پر واقع جناب عبدالغفار صاحب مرحوم کاسہ گر کے گھر بتاریخ ۱۱؍جولائی ۱۹۸۵ء تولد ہونے والا بچہ، جس کا نام شان عالم رکھا گیا، شاید اس کے والدین کو اس بات کا اندازہ تھا کہ یہ بچہ عالم کی شان بنے گا۔ شان عالم مسعودی فیضان سید سالار سے سرشار ہوکر اپنے منفرد لب و لہجے کی بنیاد پر دلوں پر سکہ جمائے ہیں۔ شان عالم مسعودی ضلع کے نئی نسل کے نعت گو شاعروں مس ایک ایسا نام ہے جس کی شعری کاوشات کو دیکھ کر دنیائے شعر وادب کے اساتذہ نے اسے اپنی محبتوں اور دعاؤں سے نوازا ہے۔

نبیرۂ اعلیٰ حضرت، جانشین حضور مفتیٔ اعظم ہند، تاج الشریعہ حضرت ازہری میاں صاحب قبلہ (جن سے موصوف کو شرف بیعت بھی حاصل ہے) کا مقبول ترین کلام ''ترے

مقصد زیست یہاں آ کے بھلا بیٹھا مگر
اس حماقت پہ بھی نادم ہوں نہ شرمندہ ہوں
ایمن! آئینہ ادوار کبھی تھا مگر اب
عہد رفتہ ہوں، نہ موجودہ، نہ آئندہ ہوں

از قلم: شاہ نواز خاں (جزوی ترمیم کے ساتھ)

شاہ نواز صاحب ریلوے میں ملازم ہیں اور ضلع گونڈہ میں تعینات ہیں۔ انھوں نے مذکورہ فارم اور آٹھ اوراق پر مشتمل ایمن چغتائی کا کلام وتعارف ارسال کیا ہے۔ حالانکہ ان کی تحریر کو مکمل نہیں کہا جا سکتا ہے، لیکن پھر بھی ان کی کوششیں قابل ستائش ہیں۔ وہ خود مشمولات لیکر دفتر 'حلقۂ فکر نظر' لکھنؤ تشریف لائے تھے۔ ان کی کوششیں اس بات کی دلیل ہے کہ انھیں اپنے مرحوم ماموں اور اردو سے کتنا لگاؤ ہے۔

(ش.ا.خ)

دامن کرم میں جسے نیند آ گئی ہے'' کو عشق رسولؐ کے سانچے میں ڈھال کر سامعین کے قلب و اذہان کو مسرور کرنے والے ۲۴ سالہ نوجوان شاعر نے آج خود تقریباً ۱۵۰ نعتیں، ۵۰ منقبتیں، دو درجن غزلیں، نظمیں، گیتوں اور قطعات کے ساتھ ساتھ سینکڑوں سہرے لکھ کر شعری ذخائر میں اپنے وزن سے کہیں زیادہ اثاثہ اکٹھا کر لیا ہے۔ دو شعر ملاحظہ فرمائیں ؎

مرجاؤں، قبر میں کروں دیدار مصطفےٰ
اللہ! مری حیات کی مدت سمیٹ لے

☆☆☆

میں منھ دکھانے کے قابل نہ تھا زمانے میں
مرے حضور نے رکھ لی ہے آبرو میری

☆☆☆

معلم اردو، کامل و عالم جیسی اسناد سے آراستہ شان عالم مسعودی نے حضور غازیؒ پاک و عارف باللہ حضرت بسم اللہ شاہ چشتیؒ کے در کی خاک چاٹ کر اور جامعہ اشرفیہ مسعود العلوم چھوٹی تکیہ، بہرائچ شریف کے مشفق و مہربان اساتذہ کی خدمت میں رہ کر بہت کم عمری میں عزت و شہرت حاصل کر لی ہے جو اتنی کم عمری میں کم ہی کسی کے حصہ میں آتی ہے۔ مثلاً مظہر عیسیٰ حضرت سید سالار مسعود غازیؒ کے شجرۂ نسب کو نظم کرنے پر انہیں بموقعۂ ۱۰۰۱ سالہ عرس رجب کی مقدس تقریب میں ''سلطان الشہداء ایوارڈ'' کے ساتھ ''شاعر غازی'' کے لقب سے نوازا جانا۔ مذہبی جلسوں، کانفرنسوں، مشاعروں کے ساتھ میدان صحافت میں کامیاب قدم رکھنا ان کی کامیابی پر دال ہے۔ شان عالم مسعودی ایک متحرک و فعال نوجوان شاعر ہیں اور سر دست بانی و صدر انجمن ضیائے غازی، سکریٹری انجمن خدام اولیائے کرام، کارگزار صدر اردو رابطہ کمیٹی اتر پردیش ہیں۔

آستانۂ عالیہ حضرت بسم اللہ شاہ چشتی خانقاہ چھوٹی تکیہ، بہرائچ شریف میں دو سو گیارہویں مرکزی عرس پاک کے زیر اہتمام منعقدہ آل انڈیا نعتیہ مشاعرے کے موقع پر

''مرکزی عرس کمیٹی'' نے شان عالم مسعودی کو بطور اعزاز ''حضرت بسم اللہ شاہ ایوارڈ ۲۰۰۸ء'' (برائے اردو نعتیہ شاعری) سے نوازا ہے۔

تاریخ: ۱۸؍ جون ۲۰۰۸ء

مفتی شمس الدین احمد رضوی
پرنسپل، جامعہ اشرفیہ مسعود العلوم
چھوٹی تکیہ، بہرائچ

نمونۂ کلام

نعت

۱

الماس کی تابش لیے ناچیز خزف ہے — نعتِ شہ ابرار کے لکھنے کا شرف ہے
چھیڑیں گے بھلا کیسے جہنم کے فرشتے — میں نے جو لیا انکی محبت کا حلف ہے
جو لوگ نہیں کرتے ہیں تعظیم شہ دیں — فردوس کی فہرست سے نام انکا حذف ہے
اصحاب فلک دیتے ہیں مجھ کو جو سلامی — کچھ اور نہیں ذہن مدینہ کی طرف ہے
پہنے ہیں جو پوشاک یہ مہر و مہ و انجم — اس میں تو فقط نور محمد کا کلف ہے
ہو جاتا ہے مس ذرہ جو پیزارِ نبی سے — نایاب گہر ہے وہی نایاب صدف ہے

دن رات شہ دین کی مدحت میں گزرنا
وہ شغل ہے عالمؔ کا جو آئین سلف ہے

۲

مری حیات کو تعبیر خواب مل جائے	جو نقش پائے رسالت مآب مل جائے
اثر ہو زہر کا کس طرح ایسے انساں پر	جسے نبی کا مقدس لعاب مل جائے
قسم خدا کی سرِ راہِ عام پی لوں گا	جو مجھ کو عشق نبی کی شراب مل جائے
حلیمہ! جب ہیں تری اونٹنی پہ شاہ زمن	تو کیوں نہ اس کو مکمل شباب مل جائے
ہماری قوم ہے بے پردگی کی دلدادہ	جناب زہرا کا یا رب حجاب مل جائے

غبار طیبہ میں مل جائے شانؔ عالم بھی
کہ جوئے آب میں جیسے حباب مل جائے

۳

دکھایا گر خدا نے منبعِ انوار دیکھیں گے	مدینے میں جمال سید ابرار دیکھیں گے
فدا ہے جس پہ جنت، وہ حسیں گلزار دیکھیں گے	کبھی گلیاں مدینے کی، کبھی بازار دیکھیں گے
اگر پہنچا دیا ہم کو مقدر نے مدینے تک	تو پھر واں ایک سے اک صاحب کردار دیکھیں گے
وہ در جبریل کرتے ہیں جہاں پیہم جبیں سائی	تقاضہ ہے نگاہوں کا وہی دربار دیکھیں گے
بسا کر گنبد خضریٰ کو ان بے چین آنکھوں میں	اگر توفیق دی رب نے تو سو سو بار دیکھیں گے

یقیناً شانؔ عالم تجھ پہ آقا مہرباں ہونگے
لباس فکر میں جب وہ ترے اشعار دیکھیں گے

ooOoo

شارق ربانی (شارق ربانی)

۱۹۶۳ء

جائے پیدائش: نانپارہ، ضلع بہرائچ، یو. پی.

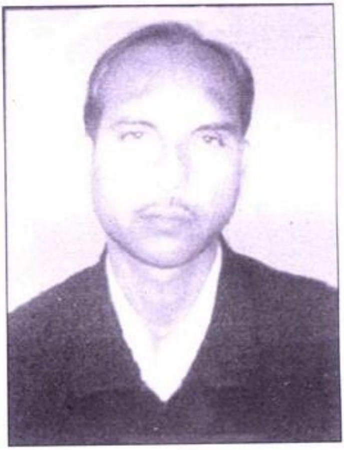

والد: ٹھاکر عبدالرّب خاں صاحب **والدہ:** محترمہ ملکہ ثریا صاحبہ

تاریخ ولادت: ۳۰/ جولائی ۱۹۶۳ء مطابق: ۹/ ربیع الاول ۱۳۸۳ھ

تلمیذ: جناب کریمی الاحسانی **استاد کا پتہ:** حسن پور لوہاری، مظفر نگر، یو. پی.

تعلیم: ایم. کام، ایم. اے. اردو **مشغلہ:** محکمہ جنگلات میں ملازمت

مکمل پتہ: محلہ قلعہ، نانپارہ، ضلع بہرائچ، یو. پی.

موبائل: 9307595051

تعارف

شارق ربانی ایک تعلیم یافتہ مسلم راجپوت خاندان میں پیدا ہوئے۔آپ کے آباء واجداد ۱۸۵۷ء کی غدر کے دوران بکنوا ،ضلع بارہ بنکی سے نانپارہ آئے تھے۔اوران کی اولادوں نے بعد میں اپنی لیاقت اور ذہانت کی بنا پر راجہ جنگ بہادر کے عہد میں ریاست نانپارہ میں اہم مقام حاصل کرلیا تھا۔شارق ربانی کے والد، ٹھاکر عبدالرب خاں (مرحوم) کوشعر وشاعری کا شوق تھااور اردو، فارسی و انگلش زبان پر عبور حاصل تھا۔

شارق ربانی گھر پرابتدائی تعلیم حاصل کر کے اسکول میں داخل ہوئے اور جنتا انٹر کالج نانپارہ سے ہائی اسکول کا امتحان پاس کیا۔جنتا انٹر کالج نانپارہ میں ہی شارق ربانی، جناب ایاز بیگ ایمن چغتائی صاحب جو اردو کے استاد کے ساتھ ساتھ ایک اچھے شاعر بھی تھے، سے اردو پڑھی۔سعادت انٹر کالج نانپارہ سے انٹرمیڈیٹ،حلیم مسلم کالج کانپور (کانپور یونیورسٹی) سے بی.کام.، اودھ یونیورسٹی سے ایم.کام.کا امتحان پاس کیا اور یو.پی.فارسٹ کارپوریشن میں ملازم ہوگئے۔

شارق صاحب کواگر چہ ادبی ماحول اپنے والد سے ہی ملا لیکن شارق ربانی نے ادبی زندگی کا آغاز دوران ملازمت پیلی بھیت سے شروع کیا۔شارق ربانی نے قیام پیلی بھیت کے دوران روہیل کھنڈ یونیورسٹی بریلی سے ایم.اے.اردو کا امتحان بھی پاس کیا اور غزلیں لکھنا بھی شروع کی۔کچھ عرصہ بعد شارق ربانی نے جناب کریمی الاحسانی صاحب مظفر نگر سے شرف تلمذ بھی حاصل کیا۔جناب کریمی الاحسانی صاحب حضرت احسان دانش کے شاگرد تھے اور ان کا شعری مجموعہ ''نغمۂ جمہور'' اتر پردیش اردو اکیڈمی کے تعاون سے شائع ہو چکا ہے۔

شاعری کی ابتدا عموماً غزل سے ہوتی ہے چنانچہ شارق ربانی نے بھی اپنی شاعری کی ابتدا غزل سے کی۔شارق ربانی کی غزلیں ادبی حلقوں میں پسند کی گئیں اور ملک کے تمام ادبی، دینی رسالوں میں بھی شائع ہونے لگیں۔شارق ربانی کی غزلیں جذبات اور حالات حاضرہ کی بہترین ترجمانی کرتی ہیں ان کی غزلوں میں سادگی، شگفتگی بھی ہے اور پاکیزگی بھی۔شارق ربانی نے اپنی

غزلوں میں عشقیہ شعر کہہ کر جذبات کی تسکین بھی کی ہے اور زندگی کے مختلف معاملات ومسائل کی تصویر کشی بھی کی ہے۔آپ کی غزل کا یہ شعر۔

ترے نگر کا یہ منظر دکھائی دیتا ہے
جسے بھی دیکھو ستمگر دکھائی دیتا ہے

کسقدر بیساختگی سے بیان کیا گیا ہے اور یہ بیساختگی کتنے محاسن اپنے اندر سمیٹے ہوئے ہے۔آپ کی دوسری غزل کے یہ اشعار بھی حالات حاضرہ کے بہترین ترجمان ہیں:

عجب روتا ہوا منظر ملا ہے ہر اک انساں غموں سے تر ملا ہے
پیامِ امن جو دیتا تھا سب کو اُسی کے ہاتھ میں خنجر ملا ہے

درج ذیل اشعار آپکی عشقیہ شاعری کا بہترین نمونہ ہیں:

اُس کو جب بے نقاب دیکھا ہے روبرو ماہتاب دیکھا ہے
پوچھا کیا دیکھا ہے جو خوش ہیں حضور! ہنس کے بولے کہ خواب دیکھا ہے

شارقؔ ربانی نے غزلوں کے علاوہ حمد،نعت،منقبت وقطعات وغیرہ اصناف سخن میں بھی طبع آزمائی کی ہے۔شارقؔ ربانی کی منقبتوں میں تصوف کا رنگ بھی پایا جاتا ہے اور بزرگان دین واولیا اللہ سے بے پناہ عشق کی جھلک بھی۔شارقؔ ربانی سلسلہ وارثیہ سے بھی وابستہ ہیں۔نمونہ کلام کچھ اسطرح ہے:

زیارت کا ہو مجھ پہ احسان وارث! مرے جان و دِل تجھ پہ قربان وارث!
مُصفّیٰ، مُجلاّ تری پاک سیرت نرالی ہے سب سے تری شان وارث!

☆☆☆

غلام مصطفےٰ ہوں اور گدائے پنجتن ہوں میں ہے یہ انعام وارث کا ہے یہ انعام وارث کا
مئے عشقِ خدا بٹتی ہے میخانہ میں وارث کے عطا ہو مجھکو بھی ساقی ذرا اک جام وارث کا

شارق ربّانی صاحب جو یو. پی. فارسٹ کارپوریشن میں ملازمت کرتے ہیں ان کی پوسٹنگ اس وقت گونڈہ میں ہے۔ان کا ایک شعری مجموعہ زیرِ ترتیب ہے۔ یہ ایک اچھے انسان ہیں، خاموش طبیعت اور صوفیانہ مزاج کے مالک ہیں۔اللہ تعالی نے انہیں خوبصورت شاعرانہ فن اور بے پناہ ادبی دولت سے نوازا ہے۔انکے بھائی طارقؔ ربّانی بھی شاعر ہیں۔

شاہ نواز خاں، گونڈہ

نمونۂ کلام

۱

خود کو نثارِ جام کیے جا رہے ہیں لوگ — جینے کا اہتمام کیے جا رہے ہیں لوگ
شب خون شام ہی سے کچھ ایسے کہ الاماں — نیندوں کو بھی حرام کیے جا رہے ہیں لوگ
شاید بدل ہی جائیں یہ حالات زندگی — دِل میں خیال خام کیے جا رہے ہیں لوگ
جو میکدہ میں پارسا زاہد ہیں بارياب — ان کا بھی احترام کیے جا رہے ہیں لوگ

شارقؔ اگرچہ گذری ہے صحرا میں ان کی عمر
گلشن میں بھی قیام کیے جا رہے ہیں لوگ

۲

خواب میں وہی ستمگر دیکھا — جس کے نیزے پہ دھرا سر دیکھا
شہر کا ہم نے یہ منظر دیکھا — خوں میں لتھڑا ہوا ہر گھر دیکھا
نعرۂ امن تھا جن کا لوگو! — ان کے ہی ہاتھ میں خنجر دیکھا
شعلے نفرت کے ایسے بھڑکے — آگ کی لپٹوں میں ہر گھر دیکھا

یاد ہے اب بھی وہ منظر شارقؔ
خواب میں ایک گلِ تر دیکھا

۳

دھواں دھواں سا ہر اک گھر ہے کیا کیا جائے
یہ ہولناک سا منظر ہے کیا کیا جائے
یہ عصرِ نو کی سیاست کی کار فرمائی
جلا بجھا سا ہر اک گھر ہے کیا کیا جائے
روا روی کو ملے اور راہ لی اپنی
وہی جدائی کا منظر ہے کیا کیا جائے
اسے تو چھوڑئے ٹوٹے نہ آئینۂ خانہ
کسی کے ہاتھ میں کنکر ہے کیا کیا جائے
یہ اور بات کہ ہم میکدہ میں پیاسے ہیں
کسی کے ہاتھ میں ساغر ہے کیا کیا جائے
ہر اک حالِ پریشاں یہ کہتا ہے شارقؔ
یہی ہمارا مقدّر ہے کیا کیا جائے

غزل

ہم کو تھا ان سے پیار ابھی کل کی بات ہے
دِل کو تھا اک قرار ابھی کل کی بات ہے
مرجھا گئے گلاب ترے رنگ و روپ کے
چہرے پہ تھا نکھار، ابھی کل کی بات ہے
خوف جدائی سے یہ مجھے یاد ہے کہ وہ
پہروں تھا اشکبار، ابھی کل کی بات ہے
اب میرے نام سے بھی وہ جلتے ہیں کیا ستم
تھے میرے غمگسار، ابھی کل کی بات ہے
اس کے ہی دم سے گلشنِ ہستی میں تھی بہار
ہر سمت تھی بہار، ابھی کل کی بات ہے
شارق وہ کیا زمانہ تھا ابتک جو یاد ہے
دِل میں تھا سب کے پیار، ابھی کل کی بات ہے

ooOoo

سید ریاست حسین رضوی (شوقؔ بہرائچی)

۱۸۹۵ء - ۱۹۶۳ء

جائے پیدائش: سیداواڑا، اجودھیا، فیض آباد، یو. پی.

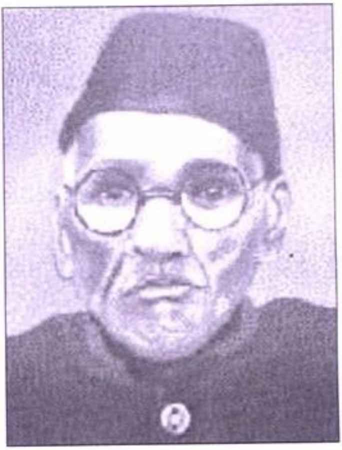

(تصویر بشکریہ حضرت مولانا سید مصطفےٰ حسین نقوی اسیفؔ جائسی)

والد: سید سلامت علی رضوی   **والدہ:**

تاریخ ولادت: ۱۸۹۵ء مطابق ۱۳۱۳ھ

تلمیذ: مولانا قربان حسین واقف لکھنوی و پیارے صاحب رشیدؔ

تاریخ وفات: ۳ر جنوری ۱۹۶۳ء مطابق ۷ر شعبان ۱۳۸۲ھ

تعلیم: معمولی

شعری تخلیقات: دیوان 'طوفان' مطبوعہ ۲۰۱۱ء

نمونہ کلام

۱

جن زمانوں میں سکوں تھا وہ زمانے مانگے
تم نے مجھ سے میرے ماضی کے فسانے مانگے
غزلیں، نظمیں مری اور مرے ترانے مانگے
میرے الفاظ کے سِکّوں کے خزانے مانگے
جتنے قارون تھے اس دور کے سب چیخ اُٹھے
اپنے بخشے ہوئے سکّے جو خدا نے مانگے
جن کو ماضی کی حدیں پھاند کے لانا مشکل
مانگنے والوں نے مجھ سے وہ زمانے مانگے
نخلِ فرعونِ زمانہ جو گرادیں جڑ سے
تپشِ مہر سے وہ جھونکے ہوا نے مانگے
لے گئے قبر میں ماضی کے قلم کار جنہیں
ہم سے اربابِ جہاں نے وہ فسانے مانگے
جب دکھانا ہوا اپنا کرم خاص ایمنؔ
سرپئے خونِ وفا تیغِ جفا نے مانگے

تعارف

اجودھیا، ضلع فیض آباد کے محلّہ سیّد واڑہ میں متوسط زمیندار طبقہ سے تعلق رکھنے والے سیّد سلامت علی رضوی کے گھر میں ۱۳۱۳ھ مطابق ۱۸۹۵ء میں پیدا ہونے والے سید ریاست حسین رضوی شوقؔ تلاش معاش میں بہرائچ آئے اور یہیں کے ہو کر رہ گئے۔

ان کے کمزور جسم پر ایک عدد شیروانی ٹنگی رہتی تھی جو جسم کی ساخت کے ساتھ آگے سے لٹکی ہوئی اور پیچھے سے اُچکی ہوئی رہتی تھی۔ پیٹ کے پاس کے ہی دو تین بٹن بند رہتے تھے باقی کھلے رہتے تھے۔ ہوسکتا ہے ایک آدھ بٹن ٹوٹا بھی رہتا ہو۔ داہنے ہاتھ میں ایک پرانی سی چھڑی، سر پر تیل خوردہ کشتی دار ٹوپی اور بازار سے گھر آتے وقت بائیں ہاتھ میں ایک پُڑیا، جس میں کوئی نہ کوئی مٹھائی رہتی تھی اور یہ ہاتھ عموماً پُشت پر رکھا رہتا تھا۔

علمی لیاقت کے اعتبار سے وہ 'صفر' تھے لیکن یہ وہی صفر تھا جسے کسی گنتی کے داہنی طرف لگا دیا جائے تو اس کی قیمت دس گنا بڑھ جاتی ہے۔ شوقؔ صاحب کا حال کچھ ایسا ہی تھا اردو، ہندی، انگریزی اور فارسی زبان کے الفاظ پر بڑی قدرت رکھتے تھے۔ شروع میں وہ غزلیں کہتے تھے اُنکی چلبلی طبیعت نے کروٹ بدلی اور غزل سے قطع تعلق کر کے وہ طنز و مزاح کی دنیا میں آ گئے۔ اُن کی زندگی کے آخری دور میں یہ چہ میگوئیاں ہوتی رہتی تھیں کہ اُنھوں نے غزلیں لکھنا بند نہیں کیا بلکہ اجرت لیکر دوسرے شاعروں کے لیے لکھا کرتے ہیں۔

عمر کے آخری ایام میں بوڑھے شوقؔ صاحب کے لاغر جسم کو دمہ کے پرانے مرض نے بدحال کر رکھا تھا۔ بیماری اور بے روزگاری نے زندگی کو بہت ہی سخت بنا دیا تھا۔ اُنھیں سرکار کی طرف سے ایک مختصر رقم بطور وظیفہ ضرور ملتی تھی لیکن یہ سلسلہ شاید ایک سال کے لیے ہی رہا تھا۔ اُس وقت کے وزیر انصاف جناب سید علی ظہیر صاحب کسی سلسلہ میں بہرائچ تشریف لائے ہوئے تھے اور شوقؔ صاحب کی عیادت کو بھی گئے تھے۔ شوقؔ صاحب کی

کسمپرسی اور علالت سے بہت متاثر ہوئے اور انھوں نے سرکاری مدد اور پنشن دلانے کا وعدہ کر لیا لیکن لیڈران کے وعدے کبھی پورے نہیں ہوتے۔ چنانچہ بسترِ مرگ پر پڑے ہوئے آدمی سے کیا گیا سرکاری وعدہ بھی بہت سارے وعدوں کی طرح وفا نہیں ہو سکا اور شوقؔ صاحب مدد کے انتظار میں راہیٔ ملک عدم ہو گئے۔ اسی سلسلہ میں انھوں نے ایک قطعہ لکھا تھا۔

سانس پھولے گی، کھانسی سوا آئے گی لب پہ جان حزیں بارہا آئے گی
دارِ فانی سے جب شوقؔ اُٹھ جائے گا تب مسیحا کے گھر سے دوا آئے گی

۶۸ سال کی عمر میں شوقؔ بہرائچی کی وفات ۱۳ جنوری ۱۹۶۴ء کو بہرائچ ہی میں ہوئی اور آزاد انٹر کالج کے پچھم واقع قبرستان تکیہ چھڑے شاہ میں ان کی تدفین ہوئی۔

شوقؔ صاحب نے بہرائچ سے جب اپنا ادبی سفر شروع کیا تو یہاں شعر و شاعری کا عام چرچا تھا۔ جگرؔ بسوانی کے ہم عصر رافتؔ بہرائچی، حکیم محمد اظہرؔ وارثی، جمالؔ بابا، لاڈلی پرشاد حسرتؔ، سورج نرائن آرزوؔ، مولانا سیّد سجاد حسین طورؔ جونپوری (ثم نانپاروی)، پیارے صاحب رشیدؔ لکھنوی کے شاگرد سیّد محمد اصغر نانپاروی، ابوالفضل شمسؔ لکھنوی، حکیم نبی احمد نجم خیر آبادی، تعلقہ دار وصی حیدر جرولی کی غزل گوئی چھائی ہوئی تھی، جو شہر بہرائچ اور نانپارہ و جرول جیسے مردم خیز اور ادب نواز قصبوں میں پھیلے ہوئے تھے۔ اسی ادبی فضا میں شوقؔ بہرائچی نے ایک طرحی مشاعرے میں جب یہ شعر پڑھا کہ ؎

بزم ادب بھی آئینہ بزمِ طور ہے لوگ آرہے ہیں ہاتھ میں جوتا لیے ہوئے

تو شائقین ادب کو اس آواز نے چونکا دیا جو تغزل سے بھرپور اور شائستہ مزاج کی حامل تھی۔

سید ریاست حسین رضوی شوقؔ بہرائچی کا دیوان (طوفان) ارباب 'حلقۂ فکر و نظر'

کی کاوشوں سے، ان کے انتقال کے ۴۸ سالوں بعد شائع ہوا۔ حالانکہ یہ ایک عام رائے تھی کہ ان کا دیوان ضائع ہو چکا ہے۔

''جہاں تک شوق کے اندازِ بیان اور زبان کا تعلق ہے اس سلسلہ میں بھی ان کا مرتبہ کسی نظم گو شاعر سے کم نہیں۔ نہایت سادہ زبان استعمال کرتے ہیں۔ سادگی میں پُرکاری بھی ہے وہ اس طرح کہ تمام کلام مقامی (Localise) زبان میں ہے یعنی روز مرہ، محاورے اور ضرب الامثال سب ایسے ہیں گویا وہ اپنے قصبے کے محلّوں، گلی کوچوں اور بازاروں کے درمیان اپنے ہی لوگوں کو اپنی زبان سنا رہے ہوں۔ اس طرح سے ان کے یہاں عوامی سطح پر الفاظ اور محاورات کا ایک بڑا ذخیرہ ہے جس کی اک علٰحدہ سے لغت ترتیب دی جاسکتی ہے۔ علاوہ ازیں انگریزی الفاظ کا برجستہ اور شگفتہ استعمال ردیف وقوافی کے طور پر جس قدر رواں دواں انداز میں کیا ہے شوقؔ کے علاوہ شاید ہی کہیں اور ملے''۔
(ڈاکٹر اشفاق محمد خاں)

شوقؔ صاحب برجستہ و فی البدیہ کہنے والے شاعر تھے۔ ان کی قادرالکلامی کے واقعات ابھی لوگوں کے ذہن میں ہیں۔ اسی طرح کا ایک واقعہ اسحاقؔ نانپاروی نے بیان کیا کہ ''الہٰ آباد کے ایک مشاعرے میں شوق بہرائچی مدعو تھے۔ اُس وقت کے چیف منسٹر پنڈت گوند بلبھ پنت اُسی درمیان میں الہٰ آباد میں تھے۔ ناظم مشاعرہ نے شوقؔ بہرائچی کا نام اناؤنس کیا۔ وہ مائک پر آئے اور اپنے مخصوص انداز میں اس قطع سے اپنے کلام کا آغاز کیا۔

سارے رشیوں کے رشی، سنتوں کے سنت آئے ہیں
گھوس خوروں کے اکھاڑے کے مہنت آئے ہیں
چھوڑ کر 'گومتی'، 'گنگا' میں لگانے ڈُبکی
آج سنتے ہیں کہ پریاگ میں 'پنت' آئے ہیں

''شوقؔ صاحب کی خوبی یہ ہے کہ مزاح کے باوجود ان کے کلام میں غزل کا لب و

لہجہ مجروح نہیں ہوتا ہے اور بعض اوقات ان کے پہلے مصرعہ سے یہ قیاس کرنا مشکل ہوتا ہے کہ اس روایتی اسلوب و انداز کے ساتھ شاعر طنز و مزاح کا رنگ آخر کیسے پیدا کریگا۔ بر سبیل تذکرہ یہاں یہ ذکر مناسب ہوگا کہ شہنشاہ تغزل جگرؔ مرادآبادی بھی شوق بہرائچی کی فنکاری اور فن عروض وغیرہ میں ان کی پختگی کے معترف تھے اور اپنی مجلسوں میں اس بات کا اعتراف کرتے تھے کہ شوقؔ بہرائچی کی شاعری نقائص سے پاک ہے"۔ (محمد شفقت علی ندوی)

نمونۂ کلام میں شوقؔ بہرائچی کی غزلوں کے بجائے کسی خاص عنوان کی تحت کہے گئے مختلف اشعار دئے جا رہے۔ ان کا کلام صرف ہنسنے ہنسانے تک محدود نہیں تھا بلکہ اس میں مقصدیت ہے، جذبات ہیں، تعلیم ہے، وقت کی ترجمانی ہے اور ساتھ ہی ساتھ زیر لب تبسم بھی۔

شوقؔ بہرائچی کے کلام کی سب سے نمایاں خوبی یہ رہی ہے کہ شعر کا پہلا مصرعہ سنجیدہ ہوتا ہے اور مزاح دوسرے مصرعہ میں ہوتا ہے۔ اس زمرے کے کچھ اشعار ملاحظہ فرمائیں۔

نظر آتے ہیں جو قطرے گلوں پر کسی کی رال ہے، شبنم نہیں ہے

☆☆☆

ترے چاہ ذقن کی راہ الفت میں جو یاد آتی نظر آتا کہیں بمبا، کسی جا پر کنواں ملتا

☆☆☆

اُنکی توجہ ان کا کرم کتنے بھیانک ہیں خطرات

☆☆☆

ہمارے داغِ دِل ضوء دے رہے ہیں یہ پھوکٹ میں چراغاں ہو رہا ہے

☆☆☆

نظروں کا جہاں دِلکش دِلکش، دنیائے عمل سونی سونی اسکیمیں ہیں گٹھر کا گٹھر، معلوم نہیں کیا ہونا ہے؟

☆☆☆

ہجوم رنج و غم سے کھیلتا رہتا ہوں ہنس ہنس کر مصیبت میں زنانوں کی طرح نالاں نہیں ہوتا

وہ شبِ وعدہ جو آئے، کیا بتاؤں کیا ہوا میرے ارماں اور ان کی شرم میں جھگڑا ہوا

☆☆☆

ہلتی ہیں یہ لدی ہوئی پھولوں سے ڈالیاں یا جِن کوئی چڑھا ہے عروس بہار پر

☆☆☆

نہ دے ساقی مجھے کچھ غم نہیں ہے یہ کلہڑ کوئی جامِ جم نہیں ہے

☆☆☆

طولِ شبِ ہجراں کا کیا حال کہے کوئی اتنی تو کبھی لمبی شہتیر نہیں ہوتی

☆☆☆

لیتا ہے دست ناز کے بوسے ہم سے تو اچھا 'لائف بوائے'

☆☆☆

ادا انکی، ناز انکا، انداز انکا نئے اسلحوں کے ذخیرے کو دیکھو

☆☆☆

شوقؔ کا کمال یہ بھی ہے کہ انھوں نے معمولی تعلیم کے باوجود انگریزی پر خاصہ عبور حاصل کیا اور اپنی شاعری میں انگریزی الفاظ کا برمحل و چابک دستی کے ساتھ استعمال کیا ہے۔ انھوں نے اپنے کلام میں رجسٹرڈ، پریکٹس، اٹنشن، ملٹری، کسٹوڈین، لائسنس، سشن جج، ٹیکس، ڈفنس، کمشنر، ریلوے سگنل، ہیلتھ آفسر، ڈسمل، سرکل، لوکل، لیول، کالرا، آپریشن، وارنٹ، سیفٹی ریزر، اردلی، کلکٹر، ڈپٹی کمشنر کنٹرولنگ، فائل بُک، نون و آفٹر نون جیسے نہ جانے کتنے انگریزی الفاظ کو فنکارانہ طور پر برتا ہے۔

ضبط کے قابو سے باہر ہو رہے ہیں طفل اشک اب کوئی لونڈا نہیں ہے اپنے 'فادر' کا مطیع

حُسن جاناں کا ابھی تک ہے غلامانہ خیال دیکھتا ہوں آج بھی میں اسکو 'پوڈر' کا مطیع

ظلم کے آگے سرِ تسلیم سب ہیں خم کئے پا رہا ہوں میں زمانے بھر کو 'ہنٹر' کا مطیع

☆☆☆

سِپر ہو کر اُنہیں سب دیکھ لیا کرتے ہیں پیٹ بھر جاتا ہے لوگوں کا، 'ڈنر' سے پہلے

حرف نکلا بھی نہ تھا منہ سے کہ معنی سمجھے بیٹا پیدا ہوا دنیا میں 'پدر' سے پہلے

پھر آج آگیا، وہ انتخابی دور آگیا		صدائے انقلاب کی لیے ہوئے 'مشین گن'
☆☆☆

مدت ہوئی دم توڑ دیا امن واماں نے		اب ہو گئے یہ حشر کے آثار 'رجسٹرڈ'
☆☆☆

جو اُٹھ کے وہ چلے گئے تو سب دراز ہو گئے		جو آ گئے وہ سامنے تو ہو گئے 'اٹنشن'
☆☆☆

نہ بدلی ہے نہ بدلے گی فضائے فرقہ وارانہ		مصیبت اب تو یہ 'کمپلسری' معلوم ہوتی ہے
☆☆☆

دِل لبھانے والے یوں تو سینکڑوں انداز ہیں		اک ادا 'پیٹنٹ' لیکن ٹھینگا دکھانا بھی ہے
☆☆☆

غربت کو مری کوئی بھی چھین نہیں سکتا		اے دوست ابالش یہ جاگیر نہیں ہوتی
☆☆☆

اب وہ مسیحا جگ کے بنے ہیں		بیچا کرتے تھے جو چورن
☆☆☆

وسواس نہیں، اوہام نہیں، امکان خیال خام نہیں		غداروں کا اس میں کام نہیں، یہ دِل ہے رفاہ عام نہیں
☆☆☆

دِل فرط الم سے بھر آیا، ان آنکھوں کو بھی پُرنم پایا		رکھوں میں کہاں غم کی مایہ، اب خالی کوئی گودام نہیں
☆☆☆

دانے دانے کو ترسنے لگے سب اہل وطن		جے مہا کال کی، جے غفلتِ سلطانی کی
☆☆☆

محاورے چاہے سطحی ہوں، علاقائی ہوں یا بین الملکی، اپنی باتوں کو پُر اثر بنانے کے لیے لوگ ان کا استعمال کرتے ہیں جیسے: 'ہارے تو چلے ناپارے'، 'چیونٹی کے پر نکلنا'، 'چھوٹا منہ اور بڑی بات'، 'سیاں ہوئے کوتوال'، 'خلیل خاں کا فاختہ اُڑانا'، 'نو دو گیارہ ہونا'، 'لڑھیا اُلا رہونا'، 'جھوٹوں کو حد تک پہنچانا'، 'پانی بھرنا'، 'قاضی کا چوہا'، ''لوہا ماننا'، 'لوہے کے چنے چبانا' وغیرہ۔ محاوروں کا استعمال شوقؔ صاحب نے اپنی شاعری میں بڑی خوبی سے کیا ہے۔ مثلاً محاورہ ہے ''کتے کو گھی نہیں ہضم ہوتا ہے'' اس محاورے کو شوقؔ صاحب نے کس

طرح پابندِ شعر کیا ہے۔

راز کہو نہ غیر سے، غیر اگل نہ دے کہیں ہضم نہ کر سکے جو گھی، کتے کو دو نہ گھی عبث

☆☆☆

جس کو سمجھے ہوئے تھے، صدق وصفا کا حامی جھوٹ کی رتی وہی روز بٹا کرتا ہے

☆☆☆

یہ کس نے کہہ دیا ہیں دن وہی زمانہ وہی اُڑائی فاختہ کس نے؟ خلیل خاں تو نہیں؟

☆☆☆

دانے دانے کو ترسنے لگے سب اہل وطن جئے مہا کال کی، جئے غفلتِ سلطانی کی

☆☆☆

یہ تیری سادہ لوحیاں ناصح! رنگ کسی دِن لا کے رہیں گی خوب بنے گی تیری حجامت، مل گئے گر حجام مناسب

☆☆☆

اللہ اللہ یہ معراج محبت، اے شوقؔ! حسن خود عشق کا پانی بھرا کرتا ہے

☆☆☆

اُٹھی ہے دھوم سے میت جناب واعظ کی ہم آج جھوٹوں کو حد تک چلے ہیں پہنچانے

☆☆☆

دکھائی دیگا نہ کوئی سنبھالنے والا تمہارے حسن کی لڑھیا اُلار ہو تو سہی

☆☆☆

عورت کا مقام کیا ہونا چاہئے اور اس وقت وہ کہاں پر ہے۔ جسے گھر کی شمع بنایا گیا تھا وہ بازار کی رونق بنی ہوئی ہے۔ اپنی ناسمجھی کی وجہ سے اوٹ اور نوٹ کے چکر میں لوگوں کے بہکاوے میں آ کر گھر سے باہر نکل پڑی۔ شوقؔ بہرائچی کا قلم اس پر بھی چپ نہیں ہے۔

اللہ اللہ یہ جہاں میں انقلاب مرد گھر میں اور باہر بیگمات

☆☆☆

جو آج پردۂ سیمیں پہ رقص کرتی ہیں دیکھنا ذرا حوا کی بیٹیاں تو نہیں؟

☆☆☆

صنف نازک کی طرف عہدوں کی نظریں اُٹھیں کسی قابل نہ رہا جب کوئی مردانوں میں

جب سے بے پردہ نئی تہذیب خانم ہو گئیں شرم سے روپوش کیا جانے کہ کیوں پردہ ہوا

☆☆☆

کہاں عورت نہیں ہے سر برہنہ کہاں پردے کا اب ماتم نہیں ہے

☆☆☆

شوؔق صاحب نے تو یہاں تک کہہ دیا:

یہ کیا ہے پھر آخرش جو آزادیوں کی جادوگری نہیں ہے

جو عورتیں ہو چکی ہیں بیوہ انہیں غم بیوگی نہیں ہے

معاشرتی برائیوں کی طرف بھی توجہ دی ہے،:

یہ آزادی یہ خودغرضی یہ اب بیگانگی توبہ نہ شوہر اپنی جورو کا نہ جورو اپنے شوہر کی

☆☆☆

کاگ اڑ اڑ کے یہ بوتل کی صدا دیتی ہے نشہ بندی کی سنا ہے کوئی میٹنگ ہے آج

☆☆☆

عدالت بھی محبوب رکھنے لگی ہے مسماۃ رشوت کی اُٹھتی جوانی

☆☆☆

یہ طور کہتے ہیں ہم نشیں کے، عزیز دنیا کے ہیں نہ دیں کے

یہ سب پھٹارے ہیں آستیں کے، یہ آستیں میں پلا کریں گے

☆☆☆

ہندوستان ایک ایسا ملک ہے جہاں کئی قومیں رہتی ہیں اور اسی بنیاد پر ہندوستان کا جو دستورالعمل بنایا گیا اس میں سبھی قوم و مذہب کے لوگوں کو برابر کا درجہ دیا گیا۔ لیکن کچھ گنے چنے لوگ جو تعصب کا چشمہ لگانے پر مجبور رہتے ہیں انھیں یہ ضابطہ پسند نہیں آیا اور وہی لوگ ہندوستان میں بدامنی پھیلاتے رہتے ہیں۔ یہاں فرقہ پرستی آج بھی اُسی طرح سے قائم ہے جس طرح سے شوؔق بہرائچی کے زمانے میں تھی۔ ہر ذی ہوش کی طرح وہ بھی فرقہ پرستی سے بہت مایوس تھے، ان کو پورا یقین تھا کہ اس ملک سے فرقہ پرستی کی لعنت ختم ہو جانے

پر ہندوستان پھر سے جنت نشاں ہوسکتا ہے۔

ذرا یہ آتشِ فرقہ پرستی ٹھنڈی ہونے دے اے احمق! یہی ہندوستاں، ہندوستاں ہوگا

☆☆☆

کہتے ہیں وہ، اہل وطن سب ایک قوم اک ذات ہیں فرقہ پرستی کی نظر کہتی ہے یہ شجرہ غلط

☆☆☆

فرقہ وارانہ تصادم کے سبب ملک ویران ہوا جاتا ہے

☆☆☆

وہ فرقہ بندی کے ہنگامے، اے معاذ اللہ کہ ڈوب ڈوب گئی امن اور امان کی نبض

☆☆☆

گالی بہرحال گالی ہوتی ہے، اسے ادب میں اچھی نظر سے نہیں دیکھا جاتا پھر بھی بہت سے شعراء نے ہجو گوئی میں یا اور بھی مواقع پر کھل کر گالی گلوچ کی ہے۔ شوقؔ بہرائچی نے بھی گالی بکی ہے لیکن کس ادب کے ساتھ۔

ترے میخانے میں ایسے بھی کچھ میخوار رہتے ہیں جنہیں کہتی ہے دنیا' ابن نامعلوم' اے ساقی!

☆☆☆

کیا شیخ و برہمن کا چرچا، کیا گورے ہیں کیا کالے ہیں
یہ لوگ بھی جانے بوجھے ہیں، یہ لوگ بھی دیکھے بھالے ہیں
اللہ غنی اس دنیا میں سرمایہ پرستی کا عالم
بے زر کا کوئی بہنوئی نہیں، زردار کے لاکھوں سالے ہیں

☆☆☆

گر تم ابنِ آدم ہو تو وہ بھی بنتِ آدم ہے مری بیوی نے تم کو کہہ دیا بھائی، تو کیا ہوگا؟

☆☆☆

۱

برسوں پیتا نہ کوئی مے جو میں توبہ کرتا — ساقی بھٹی پہ پڑا مکھیاں مارا کرتا

دل کا باضابطہ نوٹس سے تقاضا کرتا — کورٹ فیس اتنا کہاں تھا کہ میں دعویٰ کرتا

کسی صورت سے سہی دفن تو لاشہ کرتا — پاس سے خرچ نہ کرنا تھا تو چندہ کرتا

تھک گئے کاتبِ اعمال، قلم ٹوٹ گئے — میں گنہگار، گنہ اس سے سوا کیا کرتا

تیرا عاشق تھا فقط میں، کوئی مزدور نہ تھا — بوجھ کس واسطے نخروں کا اٹھایا کرتا

گونگا ہوتا تو نکیرین جگاتے نہ کبھی — ٹانگ پھیلائے ہوئے چین سے سویا کرتا

کم سے کم اتنا تو ہوتا قدِ موزوں انکا — تاڑ پر چڑھ کے میں بوسے کی تمنا کرتا

پوسٹ آفس عدم آباد کا معلوم نہ تھا — ورنہ خط شیخ جی مرحوم کو بھیجا کرتا

کیمرہ فوٹو کا ہوتا جو تصور میرا — مجھ سے پھر پردہ نشیں کوئی نہ پردہ کرتا

آری آہوں کی، بسولہ جو فغاں کا ملتا — شب فرقت انھیں اوزاروں سے کاٹا کرتا

قبر سے اپنی نکلتا نہ کبھی حشر کے دِن — میں گنہگار نہ تھا کوئی بِرا کیا کرتا

پیچ کھا کھا کے رقیب اور بھی کٹ کٹ جاتے
شوقؔ اُس بت سے جو کنکوا لڑایا کرتا

۴

مری رووداد غم، میری کہانی، داستاں میری
تمہیں سننا پڑے گی منہ میں ہے جب تک زباں میری
مکمل پڑھ نہیں سکتے ہو صبح روز محشر تک
ہزاروں جلد میں پھیلی ہوئی ہے داستاں میری
میں دنیا کو سنا کر لوں گا دَم اک اک ستم انکا
پھر اس کے بعد چاہے کاٹ دی جائے زباں میری
نہ کیوں ترجیح دوں میں صوتِ ناقوس برہمن پر
خلاؤں میں سنی جاتی ہے گلبانگِ اذاں میری
تجھے بھی ہاتھ دھولینا پڑیگا اپنے ہاتھوں سے
جو تو نے کاٹ دی صیاد! شاخِ آشیاں میری
جبھی تو جانتا، جلنے سے کیا دِل پر گزرتی ہے
نشیمن تیرے ہوتے اور ہوتیں بجلیاں میری
فصاحت میں، بلاغت میں، سلاست میں، لطافت میں
یہاں کی ہر زباں سے بڑھ کے ہے اُردو زباں میری

۲

مشتبہ رخ ہے گل عذاروں کا
ہو نہ چالان اب بہاروں کا

خاک ہو جائیں لوگ جب جل کر
ملک میں کام کیا مزاروں کا؟

عرشِ اعلیٰ پہ انکے بھی ہیں دماغ
جنکو منصب ملا کہاروں کا

چت بھی انکی ہے، پٹ بھی انکی ہے
داؤں اچھا گٹھا ہے یاروں کا

منہ سکھائے ہوئے ہیں اہل وطن
ملک گودام ہے چھوہاروں کا

پاس جو کچھ تھا لے گئے ظالم
ٹھینگا اب لیں گے جاں نثاروں کا

ضبطِ تولید! شکریہ تیرا
خوب راشن بچا ہزاروں کا

اب تو آنکھیں بچھائی جاتی ہیں
ووٹ لینا ہے کاشتکاروں کا

۳

مری ناداریو! تم پر اثر ہوگا تو کیا ہوگا؟
کوئی بیرنگ اگران کا لیٹر ہوگا تو کیا ہوگا؟

سمجھ رکھا ہے جس واعظ کو بس احمق فرنگی نے
وہی گر حضرتِ عیسیٰ کا خر ہوگا تو کیا ہوگا؟

عبث اے دوست! ہنستے ہو، کسی کے چشم احول پر
تمہارا بھی کوئی کانا پسر ہوگا تو کیا ہوگا؟

طوافِ کعبہ پر جس روز ہونگے شیخ آمادہ
اُسی دن ان کا گر جامیں ڈِنر ہوگا تو کیا ہوگا؟

ع

ہے شیخ و برہمن پر غالب گماں ہمارا
یہ جانور نہ چر لیں سب گلستاں ہمارا

لیلیٰ یہ کر رہی ہے رہ رہ کے سعیِ پیہم
چینی وزیر اعظم ہو سارباں ہمارا

تھی پہلے تو ہماری پہچان سعیِ پیہم
اب سر برہنگی ہے قومی نشاں ہمارا

ہر ملک اس کے آگے جھکتا ہے احتراماً
ہر ملک کا ہے 'فادر' ہندوستاں ہمارا

زاغ و زغن کی صورت منڈلایا آکے پیہم
'کسٹوڈین' نے دیکھا جب آشیاں ہمارا

مکر و دغا ہے تم سے، عجز و خلوص ہم سے
وہ خانداں تمہارا، یہ خانداں ہمارا

فریاد میکشوں کی سنتا نہیں جو بالکل
بہرا ضرور ہے کچھ پیرِ مغاں ہمارا

شمشاد و سرو سے جب حق بات کوئی کہہ دے
اسکو چڑھا دے سولی پر باغباں ہمارا

در پر ہمارے خم ہو ہر اک جبیں تو کیسے؟
ہر آستاں سے اونچا ہے آستاں ہمارا

ہر تاجور کی اس پر للچا رہی ہیں نظریں
ہے جیسے حلوا سوہن ہندوستاں ہمارا

ہو گر تمہاری مرضی تو بحرِ رنج و غم سے
ہو جائے پار بیڑا اللہ میاں! ہمارا

جو بھی ہوا ہے نہرو سے ہم نبرد آکر
چت کر چکا ہے اسکو یہ پہلواں ہمارا

چاہِ ذقن سے انکے سیراب تو ہوئے ہم
میٹھے کنوؤں سے اچھا کھاری کنواں ہمارا

ہوں شیخ یا برہمن، سب جانتے ہیں ہم کو
ہے شوقؔ نام نامی، اے مہرباں! ہمارا

۵

جومستِ جامِ بادۂ عرفاں نہ ہو سکا — وہ جانور ہی رہ گیا، انساں نہ ہو سکا
جو بھی شریکِ محفلِ رنداں نہ ہو سکا — وہ بیوقوف کامل الایماں نہ ہو سکا
واعظ بھی ہیں وہ ذات گرامی کہ الحذر! — ہم پلّہ جن کا دہر میں شیطاں نہ ہو سکا
فطرت بدل سکی نہ کبھی میرے دوست کی — لہر کسی طرح سے بھی ٹوئیاں نہ ہو سکا
دامانِ حشر آہی گیا کام حشر میں — نکٹائی بن گئی جو گریباں نہ ہو سکا
انسانوں کے ضمیر بکے کوڑیوں کے مول — غلّہ مگر گراں رہا، ارزاں نہ ہو سکا
یہ کشمکش زمانے کی اللہ کی پناہ! — جینا تو جینا، مرنا بھی آساں نہ ہو سکا
وہ ہوں گے کیا کسی سے زمانے میں ہم نبرد — جن پاگلوں سے چاک گریباں نہ ہو سکا
بتلا رہی ہے شیخ کی تقریرِ مضمحل — کچھ آج حلوے مانڈے کا ساماں نہ ہو سکا
ایڑی رگڑ کے نجد میں دیوانہ مر گیا — اور اسکے نام الاٹ بیاباں نہ ہو سکا
رہزن لباسِ راہبری میں نہ چھپ سکا — آلو نے لاکھ چاہا، پہ گھوئیاں نہ ہو سکا
دلچسپ ہو سکا نہ کبھی شیخ کا بیان — کوّا غریب مرغِ خوش الحاں نہ ہو سکا

اے شوقؔ رونا آتا ہے اس بدنصیب پر
جو خاکروبِ کوچۂ جاناں نہ ہو سکا

ooOoo

ماسٹر عبدالغفار خاں (شہرتؔ بہرائچی)

۱۸۸۷ء - ۱۹۴۳ء

جائے پیدائش: ناظر پورہ، ضلع بہرائچ، یو. پی.

تصویر ملی نہیں

والد: جہان خاں صاحب

تاریخ ولادت: نومبر ۱۸۸۷ء مطابق صفر ۱۳۰۵ھ

تاریخ وفات: ۱۹۴۳ء مطابق ۱۳۶۲ھ

تعلیم: ورناکلر فائنل ایکزام'' جولائی ۱۹۱۴ء میں اردو زبان اور 'فری ہینڈ ڈرائنگ' سبجکٹ کے ساتھ

مشغلہ: سرکاری اسکول میں مدرس

تعارف

ماسٹر عبدالغفار خاں، شہرتؔ بہرائچی، بہرائچ میونسپل بورڈ کے پرائمری اسکول، بشیر گنج میں مدرس تھے۔ یہ میرے (راقم الحروف) حقیقی پھوپھا تھے اور میری پیدائش سے تین سال پہلے (۱۹۴۳ء) ہی میں انتقال کر چکے تھے۔ ان کی تعلیمی اسناد کو دیکھنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان کو پڑھنے کا شوق تھا اور اسی لیے یہ مختلف امتحانات دیا کرتے تھے۔

ا۔ ''ایجوکیشن ڈپارٹمنٹ، یونائیٹڈ پروونسیز'' سے ''ورناکلر فائنل ایکزام'' جولائی ۱۹۱۴ء میں اردو زبان اور 'فری ہینڈ ڈرائنگ' سبجکٹ کے ساتھ پاس کیا۔ اس وقت ان کی عمر ۱۶/سال ۴/ماہ تھی۔

۲۔ ''ڈپارٹمنٹ آف پبلک انسٹرکشن، یونائیٹڈ پروونسیز'' سے ایڈوانس لینگویج اردو کا امتحان ۱۹۳۵ء مین سکنڈ ڈیویزن پاس کیا۔

۳۔ ۱۹۳۶ء میں ''منشی'' کا امتحان سکنڈ ڈیویزن میں پاس کیا۔

۴۔ اس کے بعد ۱۹۳۷ء میں امتحان 'کامل' کے لیے لکھنؤ سنٹر سے پرائیویٹ فارم بھرنے کی سند موجود ہے۔ لیکن پاس ہونے کی سند موجود نہیں ہے۔

ڈاکٹر عبرتؔ بہرائچی اپنی تصنیف 'نقوش رفتگاں' میں لکھتے ہیں ''شہرتؔ بہرائچی میرے نانا ماسٹر امداد علی (مرحوم) کے ساتھ بشیر گنج چوراہا پہ واقع پرائمری اسکول میں مدرس تھے، انھوں نے مجھے پڑھایا بھی ہے۔ یہ جگرؔ بسوانی کے شاگرد تھے۔ عربی و فارسی کی تعلیم علامہ سید ولایت حسین وصلؔ نانوتوی جو عربی فارسی اور اردو کے قادر الکلام شاعر تھے، ان سے حاصل کی، میں نے ان کو بہت نزدیک سے دیکھا ہے۔ نہایت خوش پوش، خوش مزاج، خوش فہم، خوش خلق، خوش کلام اور خوش فکر تھے۔ ان کا حلقۂ احباب بہت محدود تھا۔ آپ ڈسٹرکٹ تنظیم کمیٹی بہرائچ کے ممبر تھے۔ کم سخنی ان کا خاصہ تھا۔ ان کی زندگی بہت سادہ تھی۔ ہمیشہ کرتا، بڑی مہری کا پاجامہ اور شیروانی پہنتے تھے۔ کتب بینی بہت کرتے تھے۔ کلام حت میں پڑھتے تھے۔ بہت ہی ذہین تھے۔ ان کا کلام پڑھنے سے ایسا محسوس ہوتا تھا کہ یہ عروض و بیان کی چھڑی سے اپنے اشعار کو کرید تے تھے جب تک مطمئن نہیں ہو جاتے اشعار کو سپرد قلم نہیں کرتے تھے۔ علوم ادبیہ پر

THIS EBOOK IS DOWNLOADED FROM
SHAAHISHAYARI.COM

LARGEST COLLECTION OF URDU
SHERS, GHAZALS, NAZMS AND EBOOKS.

حکیمانہ قدرت رکھتے تھے۔ رکھتے کیوں نہ، شاگرد کس کے تھے حضرت جگرؔ بسوانی (مرحوم) کے۔ ان کے کلام میں تنوع بہت ملتا ہے، سادگی کے ساتھ ساتھ پرکاری بھی نظر آتی ہے۔ ان کے کلام میں کہیں سے بھی جھول نظر نہیں آتا ہے۔ کم گو تھے مگر خوب گو تھے۔ اگر ان کے کلام میں تنقیص نہ کی جائے بلکہ تنقید کی جائے تو کلام تمام عیوب سے پاک صاف ملے گا۔ ان کے کلام سے عالی ظرفی اور بلند حوصلگی کا پتہ چلتا ہے''۔

شہرتؔ بہرائچی، صاحبِ دیوان تھے لیکن وہ شائع نہیں ہو سکا۔ اس دیوان کو میں نے اپنے بچپن میں دیکھا ہے اور خوب دیکھا ہے۔ ان کا خط بہت خوبصورت تھا، پورا دیوان ان کے ہی ہاتھوں کا لکھا ہوا تھا۔ حروف موتیوں کی طرح سجائے گئے تھے۔ میں اکثر اس کتاب کی ورق گردانی کرتا رہتا تھا۔ بچپن میں یاد کیے گئے کچھ اشعار مجھے اب بھی یاد ہیں:

میرے مرتے ہی عجب لوٹ پڑی زنداں میں　　بیڑیاں کوئی لیے جاتا ہے، زنجیر کوئی

☆☆☆

اجل نے سیکڑوں قصے سنائے　　ہمیں نیند آئی اپنی داستاں سے

☆☆☆

اگر ایک اور دِل ہوتا تو پھر دونا مزہ ہوتا　　اک دِل میں بُت تو دوسرے میں خدا ہوتا

☆☆☆

راہِ نوری سے رسائی یار تک ممکن نہیں　　مار ڈالے گی شہرتؔ مجھے اس منزل کی کشش

☆☆☆

اناالحق ہی کہا تھا کہ دی گئی منصور کو سولی　　زباں سے اور کچھ کہتے، خدا معلوم کیا ہوتا

☆☆☆

پاکستان بننے کے بعد ہمارے والد صاحب ہزار کوشش کے باوجود پاکستان نہیں جا سکے تھے جس کے لیے آج بھی اللہ کا شکر ادا کرتا ہوں لیکن اس بات کا افسوس ہے دیوان شہرت پاکستان چلا گیا۔

شہرت بہرائچی کا کچھ کلام، مختلف پرچوں پر میرے پاس تھا مزید کلام کی تلاش کی جستجو میں پتہ چلا کہ کچھ کلام چچا محترم نعیم اللہ خاں خیالی کے صاحب زادے جناب خالد نعیم

کے پاس موجود ہے لیکن انھوں نے مجھے دینا مناسب نہیں سمجھا۔

ڈاکٹر عبرتؔ بہرائچی شہرتؔ صاحب کے بارے میں کہتے ہیں کہ ''وہ روایت کے غلام نہ تھے، بلکہ ان میں حیرت انگیز جدّت پسندی اور آزادئی رائے، خوداعتمادی اور زندگی کا عرفان ملتا ہے''۔

شمیم اقبال خاں

نمونہ کلام

۱

حکیم عبدالقدیر صاحب کے اصرار پر حضرت مولانا نور محمدؒ صاحب قبلہ صدر ڈسٹرکٹ تنظیم، بہرائچ کے انتقال پر

ستم اے فلک تو نے ڈھایا یہ کیسا　　غبار اپنے دِل سے نکالا یہ کب کا
نہ آنا تھا کچھ رحم آیا نہ تجھ کو　　بنایا ہمیں تیر غم کا نشانا
ہوا چاک چاک اپنا دِل فرطِ غم سے　　جگر بھی الم سے ہوا پارہ پارہ
ہوئی زندگی تلخ ظالم ہماری　　دیا تو نے ہم کو وہ جانکاہ صدمہ
جدا ہو گئے ہم سے 'نور محمدؒ'　　تجھے اے ستم گر فلک مل گیا کیا
روانہ ہوئے تھے وہ بیت الحرم کو　　مگر اپنے پاس ان کو حق نے بلایا
الٰہی کدھر طالب دید جائیں　　نظر آئے گا اب کہاں ان کا جلوہ
یہ سال وفات ان کا ہے عیسوی میں　　خدا کا تھا عاشق محمدؐ کا شیدا
۱۹۳۱ء
لکھی رو کے شہرتؔ نے تاریخ ہجری　　تہہ قبر ہیں اب وہ آرام فرما
۱۳۴۹ھ

۲

حریم عرش سے یا لا مکاں سے
یہ جلوے لوٹ لائے بت کہاں سے
چمک دِل میں نہیں داغ نہاں سے
حرم روشن ہے شمع لامکاں سے
خدا یاد آگیا یادِ بتاں سے
خیال اپنا کہاں پہنچا کہاں سے
بلائیں لوں تری رحمت سمجھ کر
بلا آئے تو کوئی آسماں سے
تجسس ہے نشانِ بے نشاں کی
محبت ہے مکینِ لا مکاں سے
قیامت کی تھی اُن جلوں میں تاثیر
سلامت ہوش رہ جاتے کہاں سے
یہ آنکھوں کا جو پردہ رہ گیا ہے
اُٹھا دو اب اُسے بھی درمیاں سے
ہوئی اُنکی نگاہِ مہر جس پر
وہ مستغنی ہوا دونوں جہاں سے
قیامت ڈھا کے رہتی ہے وہ بجلی
جو گرتی ہے نگاہِ آسماں سے
یہ آہِ نارسا پلٹی ہے اپنی
کہ بجلی گر رہی ہے آسماں سے
اجل نے سیکڑو قصے سنائے
ہمیں نیند آئی اپنی داستاں سے
خیالوں سے خود اپنے بدگمانی
تو ہم سایۂ وہم و گماں سے
پہنچ جائے وہاں پہلے تو جانوں
ابھی تو ہے اثر آگے فغاں سے
حرم والے لیے جاتے ہیں کعبے
اُٹھا کر سنگ کس کے آستاں سے
ملو شہرتؔ بہ پیشانی خندہ
ہو کوئی مہرباں نا مہرباں سے

۳

ہر ادا ہے شوخ ایک خنجر ہے بسمل کیلیے　　ہر نگاہ یار اک قاتل ہے قاتل کیلیے
شمع بن سکتا نہیں دل انکی محفل کیلیے　　سوز الفت سعی لا حاصل ہے حاصل کیلیے
رنج ایک سامان راحت ہے مرے دِل کیلیے　　درد خود مشکل کشا ہے، اپنی مشکل کیلیے
دیدنی ہے خون حسرت کی جلا کاری حضور!　　جو ہر آئینۂ شمشیر قاتل کیلیے
اللہ اللہ اشتیاق عشق کی ناکامیاں　　-------------- کیلیے
کم سے کم ہو جسکا پروانہ چراغ بزم طور　　کم سے کم ہو شمع ایسی ان کی محفل کیلیے
اس کے پردے میں تھا کوئی اور ہی پردہ نشیں　　قیس دیوانہ نہ تھا لیلائے محمل کلیے
یوں عدم کے واسطے ہر سانس ہر دم مضطرب　　جس طرح بیتاب ہر اک موج ساحل کیلیے
سیکڑوں ناوک بجھائے جا رہے ہیں زہر میں　　اس قدر سامان اک حیرت زدہ دِل کیلیے
-------------- فریاد کا　　بن رہا ہے طوق پابند سلاسل کیلیے
اس سے بڑھکر اور کیا ہو ارتباط عشق و حسن　　دِل مرا ان کے لیے بیچین وہ دِل کیلیے
کیا بتائیں گے جنابِ خضر ہمکو راہ عشق　　گُم نظر آتے ہیں خود ہی ان کی منزل کیلیے
کامیاب عشق ہونے کی تو یہ صورت نہیں　　بیوفائی حسن سے ،اک ہونا دِل کیلیے
داغ دِل ہم سیکڑوں لیکر چلے----　　ہے چراغاں ساتھ اپنے شام منزل کیلیے

دِل حسینانِ زمانہ سے نہ اے شہرتؔ لگا
منحرف حق سے نہ ہو اک نقش باطل کیلیے

نوٹ: الفاظ پڑھنے میں نہیں آئے اس لیے یہ جگہ چھوڑی گئی۔

۳

میں گُم تھا، کائنات مجھے ڈھونڈتی رہی
دنیائے شش جہات مجھے ڈھونڈتی رہی

میں منزلِ فنا سے بھی آگے نکل گیا
لیکن مری حیات مجھے ڈھونڈتی رہی

میں رنج و غم کے دن کی تپش میں جھلس گیا
عیش و طرب کی رات مجھے ڈھونڈتی رہی

آغوش میں اُسی کے تھا لیکن جگہ جگہ
لیلائے حادثات مجھے ڈھونڈتی رہی

حدِ تعینات کو میں پار کر گیا
حدِ تعینات مجھے ڈھونڈتی رہی

دوزخ کی شاہراہ پہ میں گامزن رہا
پھر بھی رہِ نجات مجھے ڈھونڈتی رہی

ایمنؔ پسِ وصال عروس دیارِ مرگ
برسوں مری برات مجھے ڈھونڈتی رہی

غ

میں کھینچ لیتا ہوں تصویر روئے تاباں کی　　کہ ہو گئی ہے مجھے مشق حفظ قراں کی
دلوں میں روشنیاں ہوں چراغ عرفاں کی　　تجلیاں ہوں جو آنکھوں میں روئے جاناں کی
چٹک کے کہہ دیا کلیوں نے کیا گلستاں کی　　تمہاری وحشتوں نے راہ لی بیاباں کی
اداسیاں نظر آئیں جو شام ہجراں کی　　چراغ صبح ہوئی شمع ہی شبستاں کی
ازل سے دل میں ہے اور حشر تک رہے گا یوں ہی　　یہ مختصر سی کہانی ہے درد ہجراں کی
تمہارا قیدی الفت جو اس طرف گذرے　　تو پیشوائی دیواریں آئیں زنداں کی
کسی طرح سے کٹتی نہیں ہے یہ کاٹے　　پہاڑ ہو گئی اللہ! رات ہجراں کی
ہم اور چاہتے ہیں درد میں فراوانی　　وہ اور ہوں گے جنہیں ہوگی فکر درماں کی
فنا کے بعد جو زنداں سے ہم رہا ہی ہوئے　　ہوئے اسیر نگاہوں میں اہل زنداں کی
کفن ہے دامن گردوں کا دیا مجھے　　لحد ہے بعد فنا خاک کوئے جاناں کی

انوکھی ایک ادا ہوگی ماہ کنعان کی　　تمہاری ساری ادائیں نرالی اور بانکی
سلامتی ہے تمہیں سے دلوں میں ایمان کی　　تمہیں سے شمع بھی روشن ہے بزم امکاں کی
تمہارے نام پہ قربان جان و دل کر دوں　　یہی ہے آرزو حسرت یہی ہے ارماں کی
جو حسرتوں کی ہوں قربانیاں یوں ہی ہر روز　　خوشی ہو روز مرے دل کو عید قرباں کی
نہ ہوتے ذکر جو اس میں تمہاری صورت کے　　نہ ہوتی فرض تلاوت کسی پہ قرآں کی

⑤

سہرہ

بندھا نوشاہ کے سہر پر کتنا خوشنما سہرہ
مسرور دِل ہےاور ہے زینت ارض وسما سہرہ

پروئے ہیں ستارے توڑ کر مالن نے سہرے میں
چمک اُٹھے در و دیوار ایسا پرضیا سہرہ

ہوائے روح پرور جاں فزا گلشن سے جب آئی
رخ نوشاہ سے اٹھکھیلیاں کرنے لگا سہرہ

رباب برگ گل پر نغمہ زن ہے باوجاں پرور
خوشی سے مست ہو کر جھومتا ہے پرادا سہرہ

زباں کی شکل ہے ہر پنکھڑی سہرے کے پھولوں کی
انہیں صدہا زبانوں سے ہے مصروفِ دعا سہرہ

عروشان چمن شاداں، جوانانِ چمن خندہ
خوشی سے گا رہی ہیں بلبلیں رنگینِ نو سہرہ

رہیں تا حشر یہ دولھا و دلہن عیش و مسرت سے
پھلا پھولا رہے شاداب عالم میں سدا سہرہ

دعا ناصر کی یہ مقبول ہو درگاہ یزداں میں
سلامت وہ رہیں جن کا ہے یہ ہم نے لکھا سہرہ

ooOoo

طارق ربّانی (طارق ربّانی)

۱۹۵۷ء

جائے پیدائش: نانپارہ، ضلع بہرائچ، یو. پی.

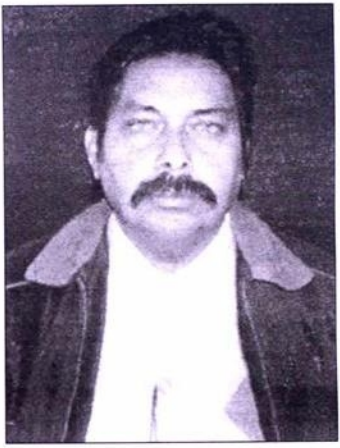

والد: ٹھاکر عبدالرّب خاں صاحب **والدہ:** محترمہ ملکہ ثریا صاحبہ

تاریخ ولادت: ۲۵/دسمبر ۱۹۵۷ء **مطابق:** ۲/جمادی الآخر ۱۳۷۷ھ

تعلیم: گریجویشن **مشغلہ:** شاعری

شعری تخلیقات: مجموعہ 'طائرِ فکر' زیرِ طباعت

مکمل پتہ: محلّہ قلعہ، نانپارہ، ضلع بہرائچ، یو. پی.

موبائل: 9307595051

تعارف

ناچیز کی پیدائش ضلع بہرائچ کے قصبہ نانپارہ میں ایک زمیندار گھرانہ میں ہوئی۔ اجداد ٹھاکر تھے اس لیے تبدیلی مذہب کے بعد بھی لفظ ٹھاکر نام سے پہلے رائج جو آج بھی کہا جاتا اور لکھا جاتا ہے۔

ابتدائی تعلیم نانپارہ میں ہی ہوئی۔ ہائی اسکول کا امتحان جنتا انٹر کالج نانپارہ سے پاس کرنے کے بعد مسلم یونیورسٹی علیگڑھ سے گریجویشن کیا۔ اردو میرا مضمون کبھی نہیں رہا اور نہ ہی اسکول یا کالج میں اردو کی باقاعدہ تعلیم حاصل کی۔ والد مرحوم چونکہ خود بھی علیگیرین تھے اور اردو ادب سے انھیں گہرا لگاؤ تھا لہذا اردو میں نے انھیں کے زیر سایہ پڑھی اور سیکھی۔ شاعروں ونشستوں میں وہ مجھے بھی اپنے ہمراہ لے جاتے تھے۔ دراصل شاعری کا شوق مجھے کم عمری سے ہی تھا۔

میرا کوئی باقاعدہ استاد نہیں رہا۔ علیگڑھ کے ادبی ماحول نے میرے شعری ذوق کو ابھارا اور میں بھی وہاں کی شعری نشستوں میں شریک ہونے لگا۔ اُس دور میں علیگڑھ میں جو شعراء حضرات نشستوں میں باقاعدہ شرکت فرماتے تھے اُن میں سے چند شعرا کے اسمائے گرامی ہیں:

امانت اسیر صاحب، غوثی صاحب، حیرت بن واحد صاحب، جمنا پرساد راہی صاحب، رفیق شاہین صاحب، رئس الدین رئیس صاحب وغیرہ۔ انھیں شعراء حضرات کی محفلوں میں شریک ہو کر میں نے کچھ سیکھا۔

میرا قصبہ نانپارہ شاعروں کا مسکن رہا۔ جہاں اصغر نانپاروی، نجم خیرآبادی، شمس لکھنوی، واصف القادری، ایمن چغتائی جیسے بہترین شعراء تھے۔

ناچیز نے بھی ایک بزم سخن 'صبحِ ادب' کے نام سے قائم کی۔ جسکے تحت کئی سالوں تک برابر نشستیں ہوتی رہیں۔ ان نشستوں میں کافی تعداد میں مقامی و بیرونی شعراء اور سامعین شرکت کرتے تھے۔ مقامی شعراء میں شفا نانپاروی، مجبور نانپاروی، گہر نانپاروی، محسن نانپاروی، شوق نانپاروی، ضیا نانپاروی، بقا نانپاروی، مجنوں نانپاروی، اب دنیا میں نہیں رہے۔ ایمن نانپاروی اور واصف نانپاروی پہلے ہی رخصت ہو گئے۔ لہذا چونکہ زیادہ تر کہنہ مشق شعرا حضرات اس دنیائے فانی سے رخصت ہو گئے اور جوان نسل میں شعری ذوق کا فقدان نظر آیا اس لیے مستقل نشستوں کا سلسلہ ٹوٹ گیا۔ تاہم تنظیم صبح ادب کی جانب سے

اب بھی گاہے گاہے ادبی پروگرام ہوتے رہتے ہیں۔ صبحِ ادب کی نشستوں میں لکھنؤ سے احسان نانپاروی اور اسحاق نانپاروی، گونڈہ سے سعید اختر خلش گونڈوی اور قمر گونڈوی خاص طور پر آتے اور شریک ہوتے تھے۔ احسان صاحب کو چھوڑ کر ماشاء اللہ تینوں شعراء حضرات حیات ہیں جن سے ملاقاتیں ہوتی رہتی ہیں۔

نانپارہ میں پرانے اور کہنہ مشق شاعر حافظ غوث اور اختر نانپاروی موجود ہیں جن کے ساتھ اکثر ملاقاتیں ہوتی ہیں یا یوں کہئے کہ چند لوگ بیٹھ کر چھوٹی موٹی نشست کا اہتمام کر لیتے ہیں۔

تحریر طویل ہوتی جا رہی ہے لہٰذا آخیر میں یہی کہوں گا کہ 'حلقۂ فکر و نظر' نے ایک بڑے کام کا بیڑا اٹھایا ہے خدا کرے کہ آپ کی یہ کوشش کامیاب ہو۔

طارق ربانی
قلعہ، نانپارہ، ضلع بہرائچ

نمونہ کلام

۱

اپنی منزل پہ مسافر وہیں پہنچا ہوگا جس نے پیچھے نہ پلٹ کے کبھی دیکھا ہوگا
عہدِ نو ہے یہ کہا جائے گا مجرم اُس کو جو روایات کی زنجیر میں جکڑا ہوگا
طائرِ فکر ہوں گزروں گا ہر اک منزل سے کیا بتاؤں میں کہاں میرا بسیرا ہوگا
پیش اپنے اگر آنے لگیں غیروں کی طرح غیر کو اپنا بنا لیجئے اچھا ہوگا
گردشِ وقت نے سکھلا دیا پینے کا شعور اب تو قطرہ بھی مرے واسطے دریا ہوگا
کوئی منزل تو معیّن ہو سفر سے پہلے ورنہ منزل کا ہر اک موڑ پہ دھوکا ہوگا
اشک آنکھوں سے تری کیسے نکلتے طارقؔ
دل کے جذبات پہ خودداری کا پہرا ہوگا

۲

آسماں تیار رہ بجلی گرانے کے لیے چُن رہا ہوں پھر میں تنکے آشیانے کے لیے
آئے گی اکدن قضا تجھکو بلانے کے لیے کچھ تو زادِ راہ رکھ منزل پہ جانے کے لیے
ہم نے اپنے خون سے روشن کیے تھے جو چراغ چل پڑی ہیں آندھیاں اُن کو بجھانے کے لیے
جانے کیا یاد آ گیا آنکھوں میں آنسو آ گئے میں نے جب بھی لب ہلائے مسکرانے کے لیے
بعد مدت کے ملا ہوں آج اپنے آپ سے خود کو میں نے کھو دیا تھا تجھکو پانے کے لیے
ایک اک کر کے فنا کردار سارے ہو گئے ڈھونڈتا میں رہ گیا عنوان فسانے کے لیے
آج ان کو بھی اُڑا کر لے گئی ظالم ہوا چند تنکے جو رکھے تھے آشیانے کے لیے

۳

ملتجی نظروں سے سوئے آسماں دیکھا کیے جل گیا سارا نشیمن ہم دھواں دیکھا کیے
غم میں ڈوبے تھے جو افسانے انھیں سنتے رہے خوں سے جو لکھی گئی وہ داستاں دیکھا کیے
گرم تر ہوتا گیا بازار ظلم و جبر کا رہنما اپنی سیاست کی دُکاں دیکھا کیے
یاد ہے وہ آشیاں لٹنے کا منظر یاد ہے مہرباں بھی بن کے جب نا مہرباں دیکھا کیے
کاروانِ وقت بھی کتنا سبک رفتار تھا سست رو جتنے تھے گردِ کارواں دیکھا کیے
اپنی اپنی راہ پر شیخ و برہمن چل پڑے اور ہم دو راستوں کے درمیاں دیکھا کیے
امتحاں مقصود تھا ایک ایک تنکے کا ہمیں بجلیوں کی زد پہ رکھ کر آشیاں دیکھا کیے

غ

پُر خطر راہ سے بے خوف و خطر جاتا ہے کوئی دیوانہ ہے جانے دو جدھر جاتا ہے
شب کو ہر خواب مری آنکھوں میں بھر جاتا ہے صبح ہوتے ہی یہ شیرازہ بکھر جاتا ہے
ہوش والے تو کھڑے دیکھتے رہ جاتے ہیں اور منزل سے بھی دیوانہ گزر جاتا ہے
دل کے دروازے پہ ہر رات کے سناٹے میں کوئی دیتا ہے صدا اور گزر جاتا ہے
جلتا پروانہ ہے تکمیل وفا کی خاطر اور الزامِ جفا شمع کے سر جاتا ہے
آج میخانے میں ہر رند کو کہتے یہ سنا پیاس بجھتی نہیں پیمانہ تو بھر جاتا ہے
دنیا منزل نہیں رستہ ہے فقط منزل کا جو بھی آتا ہے یہاں آ کے گزر جاتا ہے

ooOoo

عبدالوارث مشہود علی (واقفؔ القادری)

۱۹۱۷ء - ۱۹۸۴ء

جائے پیدائش: نانپارہ، ضلع بہرائچ، یو. پی.

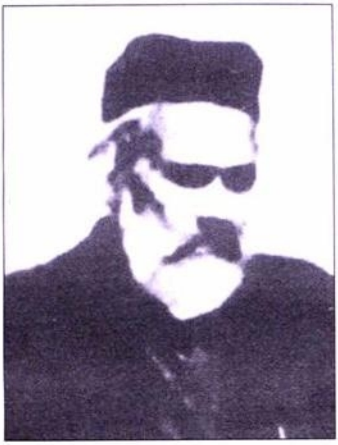

والد: سید مقصود علی شاہ   والدہ: محترمہ نواب بیگم صاحبہ

تاریخ ولادت: مارچ ۱۹۱۷ء مطابق جمادی الاوّل ۱۳۳۵ھ

تاریخ وفات: ۴/نومبر ۱۹۸۴ء مطابق ۱۱/صفر ۱۴۰۵ھ

تعلیم: دینی تعلیم   مشغلہ: حکمت

شعری تخلیقات: اتجلیات حرم، ۲.مجازِ حقیقت، ۳.عزم ایثار

بھیجنے والے: جناب شاہ نواز خاں   شاعر سے رشتہ: بھتیجا

پتہ: کوارٹر ۳۹۶. کے. گرجا کالونی، گونڈہ، یو. پی.

فون: 05262-260380   موبائل: 9307595051

تعارف

عبدالوارث مشہود علی نام تخلص واصفؔ القادری مارچ ۱۹۱۷ء میں محلّہ توپ خانہ، قصبہ نانپارہ ضلع بہرائچ، یو. پی. میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد حضرت مولانا الحاج حافظ سید مقصود علی شاہؒ صاحب خیر آبادی ریاست نانپارہ میں درگاہ غوثیہ میں معتمد کے عہدے پر فائز تھے۔ آپ کے والد کی شخصیت ایک بزرگ کی حیثیت رکھتی تھی جس کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ انہوں نے کئی حج کیے اور عرصہ دراز تک مسجد نبوی میں اذان دینے کا فریضہ انجام دیتے رہے وہیں علم دین حاصل کر کے سند حاصل کی اور وہاں کے بزرگوں سے فیوض و برکات حاصل کی۔ آپ کا سلسلہ مخدوم الہدایہ قدس سرٗہ سے ملتا تھا۔ بعد میں آپ نے نانپارہ میں سکونت اختیار کر لی تھی۔

واصف القادری صاحب کو اپنے والد کی سرپرستی میں بچپن سے ہی پاکیزہ ماحول میسّر ہوا۔ جس نے ان کی ذہن کو روشنی، قلب کو تازگی اور روح کو تابانی بخشی اور انھیں جذب وسلوب کی لذّتوں سے آشنا کیا۔ واصف صاحب نے ابتدا میں دینی تعلیم مدارس میں حاصل کی اس سے پہلے کہ وہ اعلی تعلیم کی طرف متوجہ ہوتے ان کے والد نے داعی اجل کو لبیک کہا۔ اُس وقت واصف صاحب کی عمر ۱۳ سال تھی۔ والد کی بے وقت جدائی نے ان کے دِل پر ایسا زخم لگایا جو کبھی مندمل نہیں ہوا اور ہمیشہ رستا رہا۔ والد کی اچانک موت نے انہیں بچپن میں ہی فکرِ معاش نے دوچار کر دیا لیکن ان کے عزمِ جواں نے مصائب کے آگے سرخم نہیں کیا۔ واصف صاحب نے زندگی کی تلخیوں اور غموں کو اپنے دل میں سمیٹ لیا اور فکر معاش کے لیے بہت پریشانیاں اُٹھائیں۔ بعد میں واصف صاحب نے حکمت کا پیشہ اختیار کیا۔ عام آدمی اُن کو ایک حکیم کی حیثیت سے ہی جانتے تھے۔ لیکن واصف صاحب ایک اچھے شاعر بھی تھے۔

یہ بات بہت ہی کم لوگ جانتے ہیں کہ واصفؔ صاحب صوفیانہ رنگ میں شعر کہتے تھے۔ آپ نے نعت کے علاوہ غزل، نظم، رباعیات وقطعات اور مثنوی وغیرہ سبھی اصناف میں طبع آزمائی کی ہے۔ واصفؔ صاحب کے کلام کا مطالعہ کرے کے بعد حسن ظن اور مبالغہ سے قطع نظر اس بات کا اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ وہ ہر لحاظ سے ایک کامیاب شاعر تھے۔ ان کی شاعری فن کے معیار پر پوری اترتی ہے۔ واصف صاحب کے کلام میں وہ تمام خوبیاں پائی جاتی ہیں جو ایک کامیاب شاعر کے لیے ضروری سمجھی جاتی ہیں۔ واصف صاحب کے

اشعار حسن بیان کا دلکش نمونہ ہیں لیکن وہ مقصد کو بھی ہاتھ سے جانے نہیں دیتے۔ واصفؔ صاحب کے کلام میں فکر وفن کی خوبصورت توازن اور خیال و بیان کا حسین امتزاج ملتا ہے۔ لیکن واصفؔ صاحب کی زندگی گوشہ گمنامی میں گذری۔ واصفؔ صاحب نہ تو محفل شعر وسخن کے حقیقی چراغ بنے اور نہ کبھی ان کی شہرت کا ستارہ چمکا۔ واصفؔ صاحب ایک اچھے شاعر کے ساتھ ساتھ ایک اچھے انسان، خلوص کا پیکر، ہمدردی کا مجسمہ، محبت کا دریا اور انسانیت کی جیتی جاگتی تصویر تھے۔ ان کی شخصیت دلنوازی و پاکیزگی ان کی شاعری میں بھی اتر آتی تھی۔ نعتیہ اشعار میں حضورؐ سے والہانہ عشق کی جھلک ملتی ہے۔

واصفؔ صاحب کے کئی شعری مجوعہ جیسے:

ا۔ مجازِ حقیقت، ۲۔ تجلیات حرم، عزم وایثار شائع ہو چکے ہیں۔ جس سے ان کے مرتبہ شاعری کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے۔ واصف القادری صاحب کا کلام ان کی شخصیت کا آئینہ دار ہے۔

واصفؔ صاحب کا نمونۂ کلام درج ذیل ہے:

ترا حسن جلوۂ معتبر یہ بتا کدھر ہے کدھر نہیں
یہ مرے نصیب کا پھیر ہے کہ نظر ہے، ذوق نظر نہیں

جو دِل میں شعلہ سا مضطرب یہ پیام وصل سہی مگر
مرے ذوقِ دید کو ہے خلش، تو ملے گا کب یہ خبر نہیں

حجاب رنگ و بو میں چھپنے والے
ادائے بے حجابی کم نہیں ہے

کسی کی جستجو کا ہے پسینہ
جبینِ صبح پہ شبنم نہیں ہے

☆☆☆

بن بن کے ٹوٹ جاتا ہے امید و یاس میں
یہ نامراد دل ہے مرا یا حباب ہے

☆☆☆

دبستان بہرائچ

شمیم اقبال خاں

قطع

اپنا رہا شمال، نہ اپنا رہا جنوب
جس دن سے اقتدار کا سورج ہوا غروب
سب سے خراب تر ہیں اب ان کی نگاہ میں
جن کی نظر میں ہم تھے کبھی خوب تر سے خوب
لائیں کہاں سے روشنیٔ دل نواز ہم
تیرہ شبی میں بڑھ گئی بے تابیٔ قلوب
دھوئے ہوئے ہیں دودھ کے ارباب کینہ جو
لیکن ہماری ذات ہے منجملۂ عیوب
دنیا اُلٹ گئی کہ زمانہ پلٹ گیا
نیکی کا وہ مجسمہ، ہم پیکر عیوب
کب تک تھپیڑے کھائے گی امواج غم کے تو
اے کشتیٔ حیات مری ڈوب ڈوب ڈوب
گھی میں جلائے جائینگے ایمنؔ خوشی کے دیپ
سورج جب اپنی زیست کا ہو جائے گا غروب

یہ نقش قدم، یہ سنگ حرم، یہ باب کرم، یہ بزم ارم

ہر سمت تمہارے کعبہ ہے، تم لذت سجدہ کیا جانو

☆☆☆

اس طرح کاٹتا ہوں میں ایّام زندگی

کچھ دیر انتظار کیا اور رو لیا

☆☆☆

آنکھوں میں خوشی کے اشک نہیں یہ اشک غضب کے مارے ہیں

دامن کو بچا اپنے گلچیں یہ پھول نہیں انگارے ہیں

☆☆☆

ڈریں وہ عذاب جہنم سے جو ترے کرم سے ہیں منحرف

میں ہوں اس یقین پہ فریفتہ تری شان بندہ نواز ہے

واصفؔ صاحب ایک کامیاب شاعر کے ساتھ ساتھ صوفی صفت انسان تھے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو بہت سی خوبیوں سے نوازا تھا۔ خیرآباد سے تعلق رکھنے والے شاعر نجم خیرآبادی آپ کے حقیقی بہنوئی تھے۔ نیّرؔ، ریاضؔ، مضطرؔ، بسملؔ خیرآبادی وغیرہ شاعر آپ کے ہی خاندان سے تعلق رکھتے تھے اور نانپارہ سے تعلق رکھنے والے موجودہ شاعر شارقؔ ربانی کے والد جناب ٹھاکر عبدالرب خاں صاحب مرحوم کے واصفؔ صاحب ایک اچھے دوست تھے۔ واصفؔ صاحب نے ۴؍نومبر ۱۹۸۴ء کو داعی اجل کو لبیک کہا اور نانپارہ ضلع بہرائچ میں ہی مدفون ہوئے۔

شاہ نواز خاں

نمونہ کلام

نعت

۱

درِ پاک خیرالامم یاد آیا بہت کچھ خدا کی قسم یاد آیا
کٹی زندگی یوں فراقِ نبی میں مٹا ایک غم ایک غم یاد آیا
عرب جس کے بس میں عجم جس کا قیدی تری زلف کا وہ بھی خم یاد آیا
مجھے بخش دے غیرت عشق صادق مدینے میں بیت الحرم یاد آیا
ہوا سدرۃ المنتہی جس پہ نازاں وہی محترم محتشم یاد آیا
لبوں پر تبسم نے کروٹ سی بدلی خدا جانے کیا شامِ غم یاد آیا
تجھے ناز میں دیکھ کر ماہ کامل بہت ان کا نقشِ قدم یاد آیا
کسی کے تصور نے بھی رنگ بدلا مقدر کا طرفہ ستم یاد آیا
پکارا جہنم نے ہنس کر جو واصفؔ
مجھے وہ سراپا کرم یاد آیا

۲

نبی کی محبت میں کیا کیا بنوں گا		تماشائی بن کر تماشہ بنوں گا
مجھے بھی لیے جا مدینے کے راہی		تری خاکِ نقشِ کفِ پا بنوں گا
کبھی جذب کر لیں گی امواجِ رحمت		کبھی بڑھ کے قطرہ سے دریا بنوں گا
کبھی وقفِ نظارہ ہوں گی نگاہیں		کبھی بے نیازِ تمنا بنوں گا
مدینے کے ذرّوں کو حاصل بنا کر		درخشاں درخشاں ستارہ بنوں گا
تجھے خارِ طیبہ میں آنکھوں میں رکھ کر		بہارِ گل دین و دنیا بنوں گا
اگر بن سکا تو بہ قیدِ محبت		محمدؐ کے غم کا فسانا بنوں گا

کبھی سامنے ہوں گے انوارِ احمدؐ
میں واصفؔ کبھی رشکِ موسیٰ بنوں گا

۳

آہ سے دِل جلا دِل سے سینہ		بڑھ رہا ہوں میں زینہ بزینہ
سیکھ زاہد! ادب کا قرینہ		کوئی آساں ہے عزم مدینہ
یوں ترے غم میں بہتے ہیں آنسو		بر سے ساون کا جیسے مہینہ
رشکِ فردوس حُسنِ تبسم		مشک و عنبر سے بڑھ کر پسینہ
ذرّۂ نقشِ پا ماہ و انجم		خاتمِ عرش کا تو نگینہ
دیکھ لوں پہلے میں چاہِ زمزم		ڈوبے پھر زندگی کا سفینہ
حاصل خلد تیرا تصوّر		مرحبا خارِ زارِ مدینہ

عالمِ یاس میں یوں ہے واصفؔ
جیسے طوفاں کی زد پر سفینہ

ooOoo

عبدالرحمٰن خاں (وصفیؔ بہرائچی)

۱۹۱۴ء - ۱۹۹۹ء

جائے پیدائش: محلّہ میرا خیل پورہ، ضلع بہرائچ، یو. پی.

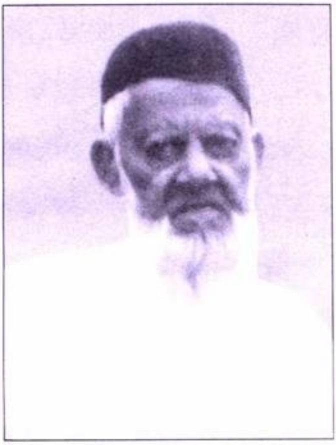

والد: حافظ عبدالقادر صاحب والدہ: محترمہ مقبول بیگم صاحبہ

تاریخ ولادت: ۲۲/اکتوبر ۱۹۱۴ء مطابق ا/شوال ۱۳۳۲ھ

تاریخ وفات: ۱۳/اپریل ۱۹۹۹ء مطابق ۲۵/شوال ۱۴۱۹ھ

تعلیم: مولوی محرم علی صاحب سے فارسی اور انگریزی مشغلہ: کاروبار

شعری تخلیقات: افکارِ وصفی

بھیجنے والے: شفاء الرحمٰن خاں شاعر سے رشتہ: بیٹا

مکمل پتہ: ۸۸/قاضی پورہ (دکھنی)، ضلع بہرائچ، یو. پی.

موبائل: 9369536578, 7275999268

تعارف

حضرت عبدالرحمٰن خاں وصفی کی تخلیق 'افکارِ وصفی' ۱۹۸۶ء میں، فخر الدین علی احمد میموریل کمیٹی اتر پردیش کے مالی تعاون سے منظرِ عام پر آئی۔ اس میں وصفی صاحب 'عرض مصنف' کے عنوان سے پیش لفظ میں خود رقم طراز ہیں:
(ش.ا.خ.)

۲۲/ اکتوبر ۱۹۱۴ء کو میرا تولد عظیم اللہ مرحوم و مغفور کے مکان واقع محلہ میرا خیل پورہ بہرائچ میں ہوا۔ اس وقت میری عمر ۷۱ سال کی ہے۔ مورث اعلی، اللہ داد خاں کے والد دورِ مغلیہ میں کابل کے سرحدی علاقہ وزیرستان حسن خیل سے ہندوستان وارد ہوئے۔ خاندان کے بعض فرد ملیح آباد اور بعض مراد آباد میں قیام پذیر ہوئے، جد اعلیٰ مولوی ضامن علی خاں صاحب المتخلص بہ انیق بہرائچ تشریف لائے اور یہیں کے ہو کے رہ گئے۔ حضرت موصوف صاحبِ بیاض اور صاحبِ کتاب شاعر تھے۔ زمانے کے دست برد سے ان کا سارا علمی اثاثہ ضائع ہو گیا۔ صرف دو مطبوعہ کتابیں مل سکیں جو
ابتک محفوظ ہیں۔ ان میں سے ایک 'مناقب چار یار' اردو میں اور ایک 'ماحریفاں' فارسی میں حضرت نے بہ طرز 'مامقیماں' تصنیف کی ہے۔ اس کے علاوہ کچھ قلمی نسخے بھی ہیں۔ جدّ بزرگوار مولوی نادر خاں صاحب کو شعر سخن سے کوئی لگاؤ نہیں تھا۔ البتہ حضرت والد صاحب قبلہ عبدالقادر صاحب نور اللہ مرقدہ کا تصنیف کردہ صرف ایک قصیدہ جو انہوں نے راجہ جنگ بہادر خاں والی ریاست نانپارہ ضلع بہرائچ کے لیے تصنیف کیا تھا، دستیاب ہوا جو ان کے شاعر ہونے پر دلالت کرتا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت والد صاحب نے التزاماً شاعری نہیں کی، ضرورتاً کبھی کبھی شعر کہتے، سبب یہ تھا کہ حضرت کا طبعی رجحان روحانیت کی طرف تھا وہ آج بھی بہرائچ میں 'ولی' کے نام سے جانے اور مانے جاتے ہیں۔
حضرت موصوف، حضرت مولانا سید مرحوم شاہ صاحب قبلہ پیشاوری نور اللہ مرقدہ کے خلیفہ بھی تھے۔ اپنے مرشد کی حیات ہی میں رحلت فرما گئے۔ میں ڈھائی سال کا تھا کہ حضرت والد صاحب قبلہ نے داعی اجل کو لبیک کہا۔ حضرت نانا صاحب نے اپنی آغوش شفقت میں لیا۔ چھ ماہ کے بعد وہ بھی اللہ کو
پیارے ہو گئے۔ ایسے نامساعد حالات سے میری زندگی گذری۔ مولوی محرم علی صاحب سے

فارسی اور انگریزی کی تھوڑی تعلیم حاصل کی اور چند کتابیں عربی کی از خود پڑھیں۔ میری زندگی بنانے میں دو باتیں مدد و معاون ہوئیں۔ ایک تو میرا ذوق مطالعہ جو ابتدا میں پیدا ہوا اور یقیناً تادمِ آخر رہے گا۔ دوسرے والدہ مرحومہ کی تعلیم و تربیت۔

غالباً ۱۹۴۰ء میں ایک آل انڈیا طرحی مشاعرہ چھوٹی بازار، بہرائچ کائست لیگ کی جانب سے زیر اہتمام وزیر انتظام انجمن ریاض ادب ہوا۔ جس کے صدر مفتی محمد یار خاں صاحب رافتؔ، جنرل سکریٹری بابولاڈلی پرشاد صاحب حیرتؔ تھے۔ پہلی غزل میں نے اسی مشاعرے میں پڑھی۔ اس کے بعد منشی محمد یار خاں رافتؔ تلمیذ حضرت جگرؔ بسوانی، ریاست حسین صاحب شوقؔ تلمیذ مولانا طور و مرتضیٰ حسن صاحب ماہؔ نگروری تلمیذ مولانا طورؔ اپنا پایہ وطیرہ بنالیا کہ جب کوئی مصرع طرح ہوتا تھا تو مجھے دعوتِ شرکت ضرور دیتے تھے۔ اس طرح میں نے مشق سخن کرتا رہا میرا اصل مذاق سخن نعت گوئی ہے۔ جہاں تک مزاج غزل کا تعلق ہے وہ میرے مزاج سے مطابقت نہیں کرتا۔ چنانچہ ناظرین کرام دیکھیں گے کہ زیر نظر مجموعہ میں زیادہ تر اشعار تصوف کے رنگ میں یا اصلاحی رنگ میں ہیں۔

میں نے شاعری کو اپنا پیشہ نہیں بنایا بس اپنے ذوق کی تسکین کے لیے شعر کہتا رہا۔ کچھ عرصہ سے میرے ادبی متعلقین اور احباب کا پیہم اصرار ہو رہا ہے، جو کچھ ہے اسے شائع کرا دوں۔ یہ تقاضہ اس وقت اور شدید ہو گیا جب میری دو گم شدہ بیاضوں کے اشعار ایک صاحب کے یہاں نظر آئے۔ بہر حال احباب اور متعلقین ادب کے تقاضوں کا احترام کرتے ہوئے غزلوں کا یہ مجموعہ فخر الدین علی احمد میموریل کمیٹی کے مالی تعاون سے شائع کرانا چاہتا ہوں۔ اگر ناظرین نے ہمّت افزائی کی تو انشاءاللہ مستقبل قریب میں نعت پاک کا مجموعہ ہدیۂ ناظرین کرنے کا شرف حاصل کروں گا۔

احقر العباد

عبدالرحمٰن خاں وصفی

نمونہ کلام

(۱)

گذرے ہوئے حالات کی تلخی کو بھلا دیں
اب آیئے ماحول کو شائستہ بنا دیں
دینا ہے تو دیں مجھ کو طلب سے سِوا دیں
یا دِل سے تمنّا و طلب میرے مٹا دیں
ہیں میری نگاہوں میں وہی لائق تکریم
جو مفسدہ پرواز کے فتنوں کو مٹا دیں
ہے کعبہ وہیں انکا، وہیں ان کا حرم ہے
دیوانے جہاں آپ کے سر اپنا جھکا دیں
چاہا ہے انھیں میں نے یہی میری خطا ہے
اس جُرم کی جو چاہیں مجھے لوگ سزا دیں
یا دیں پرِ پرواز کو وہ جرأت پرواز
یا میری اسیری کی وہ میعاد بڑھا دیں
دیوانوں کو دیوانہ فقط آپ نہ سمجھیں
دیوانے جسے دیکھ لیں دیوانہ بنا دیں
آنے کی خبر ان کی کوئی لائے تو وصفیؔ
ہم راہ میں ان کی ابھی پلکوں کو بچھا دیں

۲

اس کے قبضے میں ہو سارا گلشن		تھام لے بڑھ کے جوان کا دامن
پتّی پتّی پہ احساں ہے میرا		لاکھ مانیں نہ یہ اہل گلشن
حشر برپا نہ ہو جائے کہدو		ڈال لیں اپنے سائے پہ چلمن
نام آتے ہی ان کا لبوں پر		تیز ہونے لگی دِل کی دھڑکن
حال دِلْ مجھ سے کیا پوچھتے ہو		حُسن ہے عشق کا آپ درپن
وہ پریشا ہیں دیں کیا نہ دیں کیا		ہم پشیماں ہیں پھیلا کے دامن
آہِ سوزاں سے وہ دِل نہ پگھلا		موم ہوتے رہے سنگ و آہن

۳

دوش پر وہ زُلف جب لہرا گئی		خوب ساون کی گھٹا سی چھا گئی
جانے کیا باد صبا سمجھا گئی		گُل تو گُل ہیں ہر کلی مرجھا گئی
زندگی اس موڑ پر اب آ گئی		فیصلہ دار و رسن کا پا گئی
یہ مقامِ عشق کیسا آگیا		آج دنیائے وفا تھرّا گئی
ان کا دامن ہاتھ میں آگیا		ہاتھ گویا اپنے جنّت آ گئی
اک نظر ان کی جو دھوکا دے گئی		اک نظر میری جو دھوکا کھا گئی
اے نسیمِ صبح تیرا شکریہ		گلستاں کا گلستاں مہکا گئی

ان کی چشم مست وصفی کیا کہوں
جب کبھی اُٹھی تو مے برسا گئی

غ

جب روشناس ہو گئے ان کی خوشی سے ہم
ہر طرح فیضیاب ہوئے زندگی سے ہم

ہم کو بھی اپنے وقت کا منصور جانئے
حد سے گذر رہے ہیں اب اپنی خودی سے ہم

انسان ہیں مزاج ہمارا ہے صلح کُل
رکھتے نہیں ہیں بیر کسی آدمی سے ہم

وہ بات اتنی سادہ نہیں تھی کسی طرح
جو بات کہہ گئے ہیں بڑی سادگی سے ہم

ہر بات ہیر پھیر کی ہر بات میں فریب
کتنا بھٹک گئے ہیں رہِ راستی سے ہم

محفل میں خود پرستوں کے شور نشور تھا
گذرے وہاں سے بھی تو بڑی خامشی سے ہم

جن کی نظر بلند ہے وصفی وہ کچھ کہیں
اپنی نظر میں آج بھی ہیں مبتدی سے ہم

مختلف اشعار

جو چند لفظی رعایتوں میں الجھ کے رہ جائے ذہن وصفیؔ
وہ صرف تقلیدِ اہلِ فن ہے، مذاق ہے، شاعری نہیں ہے

☆☆☆

مدعی علم کا ہے جہل مرکّب لا ریب
قول فیصل ہے فراموش یہ ارشاد نہ کر

☆☆☆

وہ بات اتنی سادہ نہیں تھی کسی طرح
بات کہہ گئے ہیں بڑی سادگی سے ہم

☆☆☆

کتنے ہاتھوں میں ہیں پتھر کتنے لب پر قہقہے
ایک دیوانے کے پیچھے کتنے دیوانے ہوئے

☆☆☆

زندگی ہو گئی ہے اب گویا
ایک الزام، زندگی کے لیے

☆☆☆

وصفیؔ وہ بدنصیب کہ دامن نہ بھر سکا
گوہر نفس نفس پہ لٹاتی رہی حیات

ooOoo

⑤

جو ہم چراغ مسرت کے تھے جلائے ہوئے
بجھے وہ خود سے نہیں بلکہ ہیں بجھائے ہوئے
جو اپنے تھے وہ سیہ بختی میں پرائے ہوئے
قریب آئی جو ظلمت تو دور سائے ہوئے
یہاں کے لوگ سمجھتے ہیں اجنبی اب تک
ہزار سال ہمیں ہو چکے ہیں آئے ہوئے
ہر ایک بلبل ناشاد بھرتا ہے نالے
کچھ اک ہمیں نہیں صیاد کے ستائے ہوئے
انھیں کو آج کہا جا رہا ہے دیوانہ
چراغ عقل خرد کے ہیں جو جلائے ہوئے
یہ اپنا اپنا ہے ظرف اور کوئی بات نہیں
مجھے اجاڑ رہے ہیں مرے بسائے ہوئے
کسے ہم اپنا کہیں، کس پہ اعتماد کریں
جو اپنے تھے کبھی ایمنؔ وہ سب پرائے ہوئے

پہلی جنگ آزادی میں بہرائچ کا حصہ (۱۸۵۷ء)

ہندوستانی حکومتوں کو ہضم کرنے والی لارڈ ڈلہوزی کی پالیسی کے خلاف پورا ہندوستان تھا۔ ناناصاحب اور بہادر شاہ ظفر اس جنگ میں انگریزوں کے خلاف ایک دوسرے کے ساتھ تھے۔ پیشوا ناناصاحب نے بہرائچ کا دورہ مقامی حکمرانوں کی ایک میٹنگ بہرائچ میں 'گلّا بیر' کے مقام پر کی تھی جس میں ناناصاحب، راجگان بھنگا، بونڈی، چہلاری، ریہوا چردہ وغیرہ نے شرکت کی تھی یہ یقین دہانی کرائی تھی کہ وہ انگریزوں کے خلاف ناناصاحب کا ساتھ اپنی آخری سانسوں تک دیں گے۔

اس وقت کمشنر کرنیل گنج (گونڈہ) میں بیٹھا کرتا تھا۔ مسٹر سی. ڈبلو. کینلف، ڈپٹی کمشنر اور لفٹیننٹ لیگ بیلی اور مسٹر جارڈن فوج کی دو کمپنیوں کے ساتھ بہرائچ میں موجود تھے۔ بہرائچ کی جنگ بڑے پیمانے پر ہوئی۔ انگریزوں کو وہاں سے بھاگنا پڑا اور بہرام گھاٹ پر ندی پار نہ کر سکنے کی وجہ سے تینوں انگریز افسر مارے گئے۔ اور پورے بہرائچ پر دیسی فوج کا قبضہ ہوگیا۔

لکھنؤ پر انگریزوں کا قبضہ ہو جانے کے بعد اس کا اثر بہرائچ پر بھی پڑا تھا۔ ۲۷ر نومبر ۱۸۵۷ء کو ریاست چہلاری کے راجہ بلبھدر سنگھ نے چہٹ کے قریب انگریزوں سے لڑتے ہوئے موت کو گلے لگالیا۔ انگریزوں نے ان کی بہادری کی تعریف بھی کی۔ اسی طرح سے بھنونی کے راجہ نے بھی انگریزوں سے لڑتے ہوئے اپنی زندگی قربان کر دی تھی۔ اسی طرح سے دھیرے دھیرے انگریزی فوج نے نانپارہ، چردہ، کوروند ڈالا، برگدیہ قلعہ اور کئی ریاستوں پر قبضہ کرلیا۔ انگریزی فوج نے آزادی کی پہلی جنگ، اپنے بہتر جنگی طریقوں اور بہتر اسلحوں کی بدولت جیت لی۔

دوسری جنگ آزادی میں بہرائچ کا حصہ

بہرائچ میں دوسری جنگ آزادی کی شروعات ۱۹۲۰ء میں کانگریس پارٹی قائم کر کے ہوئی۔ اس وقت کے پارٹی لیڈروں نے بہرائچ کا دورہ کر کے یہاں کے عوام کو گاندھی جی کے خیالات سے روشناس کرایا جس کے نتیجہ میں فروری ۱۹۲۰ء میں نانپارہ، بہرائچ اور جرول میں 'سائمن کمیشن' کی مخالفت میں مکمل ہڑتال ہوئی۔

۱۹۲۹ء میں مہاتما گاندھی جی نے بہرائچ کا دورہ کیا اور پرانے گورنمنٹ ہائی اسکول، جواب 'مہراج سنگھ انٹر کالج کے نام سے جانا جاتا ہے، میں عوامی میٹنگ کی۔ گاندھی جی نے جب 'نمک آندولن' کی شروعات کی تو ملک کے مختلف علاقوں کی طرح بہرائچ میں بھی بڑا اثر ہوا اور اس سلسلہ میں ۶ رمئی ۱۹۳۰ء کو مکمل ہڑتال ہوئی اور نمک کا قانون' توڑا گیا جس میں کافی گرفتاریاں ہوئیں۔

۶ ر اکتوبر ۱۹۳۱ء کو پنڈت جواہر لعل نہرو کی آمد بہرائچ میں ہوئی اور انھوں نے رمپوروا، ہردی، گلولہ اور اکونہ میں پبلک میٹنگیں کیں۔ گاندھی جی کی 'ستیہ گرہ' کے سلسلہ میں ۷۶۲ر لوگوں نے اپنے نام دیے تھے جن میں سے ۳۷۱ر لوگ گرفتار ہوئے تھے۔ ۹ ر اگست ۱۹۴۲ء کو بھارت چھوڑ و آندولن کے سلسلہ میں جب گاندھی جی گرفتار ہوئے تو اس کا اثر بہرائچ میں فوراً ہوا۔ ایک بہت بڑا جلوس نکالا گیا۔ سبھی مقامی لیڈر گرفتار کر لیے گئے۔ ۱۹۴۶ء آزادی کی جدوجہد کی آخری کوشش کرنے کا نشانہ مقرر کر دیا گیا تھا جس کے نتیجے میں ۱۵ ر اگست ۱۹۴۷ء کا دن بڑی دھوم دھام سے منایا گیا۔ ہندوستان و پاکستان کے بٹوارے کے سبب تقریباً ۱۳۶۵ ر رفیوجی بہرائچ میں آباد کیے گئے۔

دونوں جنگِ آزادی کے سلسلہ میں، بہرائچ کا ایک نمایاں رول رہا ہے۔

عزت مآب سورج بھان، گورنر اتر پردیش، شمیم اقبال خاں کو صدر جمہوریہ، ہند
کا 'پولیس مِڈل' نوازتے ہوئے (۱۹۹۸ء)

مختلف اشعار

لبوں پہ موجِ تبسم ہے چشم پُرنم ہے
ہلال عید کی آغوش میں محرّم ہے

☆☆☆

غمِ پیہم سے پیری کو جوانی سونپ دی ہم نے
خزاں کے ہاتھ میں دے دی بہارِ زندگی ہم نے

☆☆☆

وہ شعر کہ جس میں کوئی پیغام نہیں ہے
حاصل اسے مقبولیتِ عام نہیں ہے

☆☆☆

طفلی گئی، رخصت ہوئے ایّام شباب
ڈالے ہوئے ہیں رخ پہ ضعیفی کی نقاب
وہ دِن بھی اب آنے کو ہے جس دِن ایمنؔ
کر جاؤں گا اس عالم فانی سے حجاب

☆☆☆

دن گئے فرعون کے، نمرود کے، شدّاد کے
کٹ گئے لمحات غم کے، فکر کے، افتاد کے
چل بسے ایام برق و باد کے، صیّاد کے
کیوں بلند ایمنؔ کرے نعرے نہ زندہ باد کے

☆☆☆

محمد علی (اختر نانپاروی)

۱۹۵۵ء

جائے پیدائش: نانپارہ، ضلع بہرائچ، یو. پی.

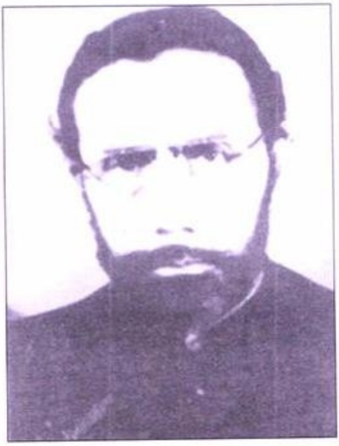

والد: نواب علی

تاریخ ولادت: ۱۸/نومبر ۱۹۵۵ء مطابق ۳/ربیع الثانی ۱۳۷۵ھ

تعلیم: معلم اردو، یو.ٹی.سی.   مشغلہ: شاعری و حکمت

شعری تخلیقات: شیشہ و سنگ، کلیات اختر، ضیائے اختر، افکار اختر، بجھتے چراغ اور بھیگی آنکھیں وغیرہ

مکمل پتہ: محلّہ کائستھ ٹولہ، نانپارہ، ضلع بہرائچ۔

موبائل: 9792950858

تعارف

نانپارہ میں شاعروں کی کمی نہیں رہی ہے۔ یہاں ایک سے بڑھ کر ایک نامور شاعر پیدا ہوئے، جن میں ایمنؔ چغتائی، واصفؔ القادری وغیرہ اہم ہیں۔ ان کے علاوہ مجبورؔ نانپاروی، حافظ غوث اور طارقؔ ربانی بھی بہترین شعرا میں شمار کیے جاتے ہیں۔

یہیں محلہ کائستھ ٹولہ میں میری پیدائش ایک خوشحال گھرانے میں ہوئی۔ یہ گھرانہ اس زمانے میں بڑے کاشتکاروں میں شمار ہوتا تھا، لہٰذا بچپن کا دور بڑے عیش و آرام سے گزرا۔ والد شیخ نواب علی ریاست نانپارہ میں ملازم تھے۔ ابتدائی تعلیم مقامی مدرسوں و اسکولوں میں ہوئی۔ اُسی دور میں شاعری کا شوق پیدا ہوا اور مشہور شاعر واصفؔ القادری خیر آبادی جو نانپارہ میں ہی مقیم تھے ان کی شاگردی اختیار کر لی۔ تقریباً ۱۷ برس کی عمر میں استاد واصفؔ القادری کی بیٹی زبیدہ خاتون سے نکاح ہوا۔ شادی کے ۷ برسوں بعد بیوی چھوڑ کر چلی گئی اس کے بعد ہی شاعری میں ٹوٹے ہوئے دل کی آواز سنائی پڑنے لگی۔

سننے والا کون ہے روداد غم کس سے کہیں
جو گزرتی ہے ہمارے دل پہ ہم کس سے کہیں

پھلتے پھولتے چمن کو ایک ویرانہ بنا ڈالا
زمانے نے مری ہستی کو افسانہ بنا ڈالا

اس کے بعد شاعری ہی زندگی بن گئی اور تقریباً ایک درجن مجموعے لکھ ڈالے حالانکہ یہ مجموعے تنگ حالی کے سبب شائع نہیں ہو سکے۔ ان مجموعوں میں خاص شیشہ و سنگ، کلیات اختر، ضیائے اختر، افکار اختر، بجھتے چراغ اور بھیگی آنکھیں قابل ذکر ہیں۔ بزرگ و کہنہ مشق شاعر وصفیؔ بہرائچی نے لکھا ہے ''اختر نانپاروی کا ادبی ذوق نہایت پاکیزہ ہے،

انہوں نے ہر قسم کے موضوع پر قلم اُٹھایا ہے مگر افکار کی روانی میں فرق نہیں آیا ہے۔ ان کے گیت نہایت دلکش ہیں۔ ان کا مجموعہ 'شیشہ وسنگ' جسمیں تین سو پچیس نظمیں ہیں، قابل دید ہے''۔

ناچیز کے خاص دوستوں میں شاعر طارق ربانی جن سے تقریباً روز ہی ملاقات ہوتی ہے، ان کا کہنا ہے کہ ''شوخی ظرافت وجدّت انکے کلام کی خوبیاں بڑھاتے ہیں''۔ اکثر تمام معیاری رسالوں میں ناچیز کا کلام شائع ہوا ہے۔ دیش بھکتی کے بھی کئی گیت تحریر کیے ہیں اور پاپ کی نگری بھی لکھی ہے۔

کیسا کلیسا کیسا گرجا کیا گیتا کیا رام کا جاپ
پاپ دھندے نگر نگر ہیں زہر میں ڈوبے جیسے سانپ

ازقلم: **اختر ناناپاروی** (جزوی ترمیم کے ساتھ)

نمونۂ کلام

☆☆☆

ہر گھڑی رہتا ہے جن کا عرشِ اعظم پر دماغ　جشن رہتا تھا ہمیشہ اور دِل تھا باغ باغ
آج ان کا حال یہ ہے انقلاب دیر سے　جیسے بیوا کی تنہائی جیسے اک بجھتا چراغ

☆☆☆

سامنے ہے شباب کی تصویر دیکھتا ہوں میں خواب کی تصویر
کیا بھروسہ حیاتِ فانی کا زندگی ہے حباب کی تصویر
جھریاں دیکھ کر مرے رخ کی ہنس رہی ہے شباب کی تصویر

۱

نا خدا گھبرا رہا ہے مطمئن ہیں دِل سے ہم دور ہوتے جا رہے ہیں جس قدر ساحل سے ہم
سسکیاں تھمنے نہ پائی تھیں کہ تم یاد آ گئے روک پائے تھے ابھی آنسو بڑی مشکل سے ہم
آ رہی ہے دور سے کانوں میں خود اپنی صدا بے خودی تو ہی بتا گزرے ہیں کس منزل سے ہم
اس قدر محویتِ راہِ تجسس، الاماں! پوچھتے ہیں اپنی منزل کا پتہ منزل سے ہم
ہر نفس اعلانِ غم، ہر سانس شرحِ اضطراب کس قدر ہم رنگ ہیں رنگِ شکستِ دِل سے ہم
سارا درہم ہو گیا اخترؔ نظامِ بزمِ ناز
شمعِ محفل بجھ گئی جب اُٹھ گئے محفل سے ہم

۲

تصور میں جو لاتا ہوں تو آنکھیں بھیگ جاتی ہیں
ترے کوچے سے جاتا ہوں تو آنکھیں بھیگ جاتی ہیں
جو تم نے خط لکھا تھا مجھ کو اپنے گھر پہنچنے پر
وہ خط میں جب بھی پڑھتا ہوں تو آنکھیں بھیگ جاتی ہیں
تصور میں مرے اب تک تری یادوں کی خوشبو ہے
تری جب بات کرتا ہوں تو آنکھیں بھیگ جاتی ہیں
ترے ترکِ تعلق سے یہ دِن ایسے بھی اب آئے
جو تیرا نام لیتا ہوں تو آنکھیں بھیگ جاتی ہیں
اسی سے گھومتا رہتا ہوں دِن بھر شہر میں اخترؔ
قدم جب گھر میں رکھتا ہوں تو آنکھیں بھیگ جاتی ہیں

۳

چمن میں شامل ہے خون اپنا، صلہ مجھے باغباں ملے گا
قفس کی پابندیاں ہوں لاکھوں مگر مرا آشیاں ملے گا

نہ تم چھپانے سے چھپ سکو گے، نہ ہم مٹانے سے مٹ سکے گے
تمہاری ہر ایک رہگزر میں ہمارا نام و نشاں ملے گا

تری جدائی کا پوچھنا کیا، ہزار عیش و خوشی نچھاور
تری قسم! یہ کسے خبر تھی، مجھے غم جاوداں ملے گا

ترے تجسس میں کیوں پھروں میں، اگر ہے حسنِ یقیں صادق
جدھر بھی نظریں اٹھیں گی میری، اُدھر ترا آستاں ملے گا

فرار اختؔر غمِ جہاں سے بہ قیدِ ہستی ہے غیر ممکن
یہی زمیں ہر جگہ ملے گی، تمہیں یہی آسماں ملے گا

قطعہ

مبارک مجھے امتحاں پر مرتب رہے داستاں داستاں پر
بہ ہر موج ساحل، بہ ہر گام منزل چلی آئے دنیا ہمارے نشاں پر

☆☆☆

ع

نہ ٹوٹے جو کبھی رشتہ، وہ رشتہ جوڑے جاتا ہوں
تری محفل سے جاتا ہوں مگر دِل چھوڑے جاتا ہوں

غم اس کا ہے کہ غم کا تکملہ ہونے نہیں پایا
فسانہ زندگی کا نا مکمل چھوڑے جاتا ہوں

کہیں دامن کے ٹکڑے ہیں، کہیں چاک گریباں ہے
میں اپنے بعد یہ وحشت کا ساماں چھوڑے جاتا ہوں

مرے چاک گریباں پر چراغاں ہوتا جاتا ہے
پھپھولے سوزنِ مژگان سے دل کے توڑے جاتا ہوں

مجھے درکار ہیں اختر حریم ناز کے سجدے
حرم کی بے نیازی پر حرم کو چھوڑے جاتا ہوں

☆☆☆

بہار آئی ہے بوتل کھُل رہی ہے مرے توبہ گلوں میں تُل رہی ہے
غرور حسن کیوں ہے شمعِ سوزاں! کہ تو بھی رفتہ رفتہ گھُل رہی ہے
بتائیں گے تجھے اختر یہ کانٹے خزاں میں کس طرح بلبل رہی ہے

ooOoo

عقیل احمد صدیقی (انجم صدیقی)

۱۹۴۵ء

جائے پیدائش: بہرائچ، یو.پی.

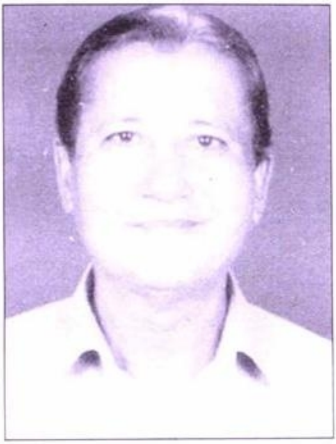

والد: مولانا مجیب اللہ صاحب صدیقی　　　والدہ: محترمہ صالحہ خاتون

تاریخ ولادت: ۲؍جولائی ۱۹۴۵ء مطابق ۲۰؍رجب ۱۳۶۴ھ

تلمیذ: جناب اظہار وارثی صاحب، برہمنی پورہ، بہرائچ

تعلیم: ایم.اے اردو اور ہسٹری　مشغلہ: درس وتدریس

شعری تخلیقات: 'تابشیں'

انعام واعزاز: • سہارا انڈیا ماس کمیونی کیشن کی جانب سے اعزاز۔

• سابق وزیراعظم محترم آئی.کے.گجرال صاحب اور تین گورنروں، سیرت کمیٹی واردو محفل بہرائچ کی طرف سے توصیفی سندیں۔

مکمل پتہ: ۱۹۱؍محلہ شخیاپورہ، متصل مسجد قاضی چندن، ضلع بہرائچ۔۲۷۱۸۰۱

فون: 05252-232809　موبائل: 9919635659

جملہ حقوق بحق مؤلف محفوظ

نام کتاب : دبستانِ بہرائچ
مؤلف وکمپوزیٹرو ناشر : شمیم اقبال خاں
۲۳/۱۶۰۔ پرکاش لوک وستار،
اندرانگر، لکھنؤ۔۲۲۶۰۱۶
موبائل:9506953183 فون: 0522-2354024
ای میل: shamimeqbal@hotmail.com
پہلا ایڈیشن: مارچ ۲۰۱۵ء
صفحات: 208
قیمت: 200/-

Name of the Book : Dabista-e-Bahraich
Writer : Shamim Eqbal Khan
Pages : 208
Price : 200/-

تعارف

بہرائچ ضلع آج بھی زبان وادب کے میدان میں انتہائی فعال، متحرک، سرگرم اور تیز رو ہے۔

ضلع کے انگلی پر گنے جانے والے چند ہی خانوادے ایسے ہیں جن کے لیے یہ کہا جا سکتا ہے کہ ''علم وعرفان جھلکتا ہے'' ایسے ایک اللہ والے اور پیرزادے قسم کے 'نرم دم گفتگو وگرم دم جستجو' انسان ایک عرصہ سے بہرائچ میں سرگرم عمل ہے اور اپنے نام ''انجم'' کی ضو پاشیوں سے شہر بہرائچ کی شہرت سے اُٹھ کر بین الاقوامی سطح پر اردو جرائد کے صفحات پر اردو کی پیکر جمالی کا دائرہ وسیع کر رہے ہیں۔ آج سے کچھ عرصہ قبل ہندوستان کی قابل صد فخر مسلم یونیورسٹی کے شیخ الجامعہ پروفیسر نسیم احمد صاحب کی بہرائچ تشریف آوری پر جب راقم الحروف نے موصوفِ محترم سے انجم صدیقی کے نو مجموعہ کی رسم رونمائی اجازت طلب کی تو آپ نے فی الفور فرمایا کہ ''بھئی آپ مجھے مجموعہ کلام زرا دکھا دیں ورنہ لوگ تو غیر معیاری ادب لے آتے ہیں کہ اجرا کی رسم ادا کر دوں'' خاکسار نسخۂ ہٰذا ساتھ لیکر ہی گیا تھا۔ آں محترم کو پیش کیا۔ موصوف نے کتاب کی ورق گردانی کی اور کہا!'' کلام معیاری ہے، میں رسم اجرا کو باعث مسرت سمجھوں گا۔''

عقیل احمد صدیقی (انجم صدیقی) ایک عدد مجموعہ کلام کے مصنف ہیں جس میں اصناف شعر وسخن کے کئی نمونے دیکھنے کو ملتے ہیں اور مذکورہ مجموعہ ''تابشیں'' کے نام سے داد تحسین حاصل کر چکا ہے۔ غزلیات، نظمیات اور قطعات چنندہ تخلیقات اس مجموعہ میں روشنی بکھیرتی ہیں۔

انجم صدیقی بنیادی طور پر استاد ہیں۔ تاریخ اور اردو میں ماسٹر سند سے آراستہ، بی.ایڈ. اور ادیب کامل بھی ہیں۔ مقامی آزاد انٹر کالج میں ذیلی مدرسین کے تقرر سے ہوتے

ہوئے اعلی مدرس (عالیہ) تک پہنچ کر کالج کے سربراہ ہوئے سبکدوش ہوکر کالج کی تاریخ میں ایک رشن باب لکھ گئے۔

اس حقیر نثر نگار نے ہمیشہ ہی غیر نثری ادب کی فہرست میں نظموں کو بہت ہی پر کشش پایا ہے۔نظموں میں زیادہ دلچسپی ہونے کی وجہ خاص تو شاید یہی ہے کہ نظم اپنے تمامتر اشعار میں ایک ہی مرکز پر مرکوز رہتی ہے یہ مرکزیت علامہ اقبالؔ کے شکوہ جواب شکوہ، مولانا حالیؔ کی مسدس اور حفیظ جالندھری کے شاہنامہ اسلام میں جلوہ آرا نظر آتی ہے۔

انجم صاحب کی نظمیں وادیٔ کشمیر، جشنِ جمہوریہ وغیرہ اسی نوعیت کے کلام ہیں۔
انجم صدیقی کے غزلیہ اشعار میں کہیں بھی برہنگی یا عریانیت نہیں ہوتی ہے۔

ان کا شعر کہ

دِلربائی بھی کرو اورخود کو بیگانہ کہو　　لیکے دِل میرا اسے الفت کا نذرانہ کہو

☆☆☆

مہکے نہ لفظ لفظ کیوں لہکے نہ حرف حرف کیوں　　میرے ہرایک شعر میں ان کے بدن کی بات ہے

انجم صدیقی کا غزلیات کا خوبصورت قلم اپنی روانی سے سامعین سر دھنواتا ہے۔

کہتے ہیں۔

نہ گرتے اشک دامن پر، نہ تشہیرِ وفا ہوتی　　ذرا سی بات تھی ان آنسوؤں نے داستاں کردی

خدا کرے انجم صاحب کا شعری سفر مائل بہ ارتقا رہے۔شہر بہرائچ اپنے درمیان ان کے وجود پر فخر کرتا ہے۔

مورخہ: بہرائچ ۱۶/اگست ۲۰۱۱ء　　سید خالد محمود

نمونہ کلام

۱

مرا دِل ہے غم سے خالی مری چشم تر نہیں ہے
مری مشقِ غم شناسی ابھی اوج پر نہیں ہے

ہے ابھی نہ بے حجابی ہے ابھی نہ جلوہ ریزی
مرا ذوق دید شاید ابھی معتبر نہیں ہے

ہے نظر وہی جو ہر شے کی حدوں کو پار کر لے
رخ یار پر جو ٹھہرے وہ نظر نظر نہیں ہے

تو کسی مقام پر ہو، مرا دل ہے تیرا مرکز
مری آگہی سلامت، غم بال و پر نہیں ہے

نہ تو دہر سے ہے مطلب، نہ حرم سے واسطہ ہے
ترے سنگ در کے آگے مجھے کچھ خبر نہیں ہے

مرے حال زار پر تو یہ زمانہ ہنس رہا ہے
مری بے کسی کا انجم کوئی نوحہ گر نہیں ہے

۲

احباب کبھی دست تعاون جو بڑھادیں		ممکن جو نہیں ہے، اسے ہم کر کے دکھادیں
ہر گام پہ گرتا ہوں مگر عزم جواں ہے		ممکن ہے یہی ٹھوکریں منزل کا پتہ دیں
ہے دامن کردار پہ عصیاں کی سیاہی		ہم اشک ندامت سے اسے کیوں نہ چھڑادیں
آئینہ ہستی پہ بڑی گرد جمی ہے		چہرے ہوں عیاں سب کے جو یہ گرد ہٹادیں
میں کوچۂ جاناں میں ہوں دیوانے کی صورت		وہ کاش مدارات میں پتھر ہی چلادیں
ہے عشق اگر جرم تو یہ جرم گوارہ		اب اہل جہاں شوق سے جو چاہے سزا دیں

پوشیدہ مرے دامنِ مژگاں میں ہیں انجم
توہین وفا ہوگی اگر ان کو گرادیں

۳

لوازمات بھی ہیں جنگِ ایٹمی کے لیے		مذاکرات بھی ہیں امن و آشتی کے لیے
نہ جانے کتنے مسائل زمیں پہ ہیں لیکن		بشر پریشاں ہے ناہید و مشتری کے لیے
ہماری نسلیں تو فصلیں اسی کی کاٹیں گی		جو ہم نے بویا ہے اکیسویں صدی کے لیے
دِل شکستہ، جگر پاش پاش، نم آنکھیں		یہ اہتمام ضروری ہے عاشقی کے لیے

مجھے اندھیروں کی پرواہ کیوں ہو اے انجم
میں اپنے آپ میں کافی ہوں روشنی کے لیے

زبان زدو معروف اشعار

مرے احباب کی گنتی اگر تم جاننا چاہو
مرے زخموں کو گن کر دیکھ لو، احباب کتنے ہیں

☆☆☆

سیاہ گیسو، نشیلی آنکھیں، حسین رخسار، یہ تبسم
ہے ذہنِ شاعر میں کشمکش یہ غزل کہے وہ کہاں سے پہلے

☆☆☆

متفرق اشعار

دماغ اُن کے تجسس میں، جسم گھر میں رہا
میں اپنے گھر میں ہی رہتے ہوئے سفر میں رہا

☆☆☆

پھول بھی کچھ خجل سے ہیں کلیاں بھی شرمسار ہیں
سارا چمن ہے آپ آپ ان کے دہن کی بات ہے

☆☆☆

آنکھوں میں نہ آنسو ہیں ہونٹوں پہ نہ نالے ہیں
ہم کتنی عقیدت سے غم ان کا سنبھالے ہیں

ooOoo

انصار احمد انصاری (انصار نگروری)

۱۹۷۹ء

جائے پیدائش: موضع نگرور، پوسٹ۔ڈیہا، ضلع بہرائچ، یو. پی.

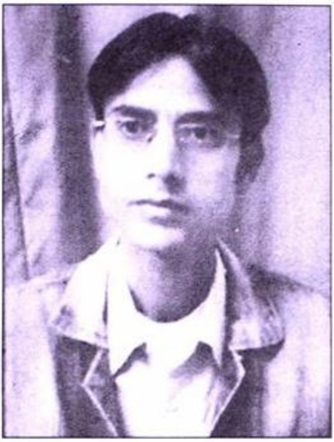

والد: جناب عبدالحیٔ انصاری صاحب والدہ: محترمہ حشمتی بیگم

تاریخ ولادت: ۱/مارچ ۱۹۷۹ء مطابق ۳۰/ربیع الاول ۱۳۹۹ھ

تلمیذ: جناب عبرت بہرائچی، محلّہ ناظر پورہ، ضلع بہرائچ

تعلیم: ایم.اے. مشغلہ: تدریس

مکمل پتہ: موضع نگرور، پوسٹ ڈیہا، ضلع بہرائچ یو. پی.

موبائل: 8858239761

9839717240

تعارف

انصارؔ نگروری جس وقت اس خاکدانِ گیتی پرتشریف لائے ہونگے اس وقت ان کے والدین نے یہ خواب میں بھی نہیں سوچا ہوگا کہ ہمارا یہ فرزند ایک دن دیارِ غازی کو اپنے شعری افکار کے حوالے سے ہندوستان کے گوشے گوشے میں روشن کرنے کا شرف حاصل کریگا۔

انصارؔ نگروری فقط سخنور ہی نہیں بلکہ ایک کامیاب نثر نگار، مقالہ نگار بھی ہیں۔میدانِ صحافت میں بھی آپکی کاوشیں، نگارشات لائق تحسین ہیں۔یہ آپکا جذبۂ خدمتِ خلق ہی ہے کہ آپ بھارتیہ سماج سیوادل (اتر پردیش) کے جنرل سکریٹری اور جن کلیان وکاس سنستھان کے سکریٹری کے عہدے پر رہ کربھی سماجی و معاشرتی خدمت انجام دینے میں اپنی خوش نصیبی سمجھتے ہیں۔موصوف نے کہا بھی ہے ؎

کروگے کام زمانے میں تم اگر اچھا　　　ملے گا اس کا کسی دن تمہیں ثمر اچھا
گرا کے نفرت وبغض وحسد کی دیواریں　　　جو کام اوروں کے آئے وہی بشر اچھا

انصارؔ صاحب کی اب تک پانچ کیسٹیں ریلیز ہوکر پذیرائی حاصل کرچکی ہیں اس کے علاوہ دیگر کیسٹوں میں انھوں نے ہدایت کاری بھی کی ہے۔اس کے ساتھ ہی مقامی، ملکی اورغیرملکی اخبارات، میگزین ورسائل میں تخلیقات (کلام) ومضامین کی اشاعت کے حوالے سے بھی موصوف کی شناخت اپنے آپ میں ایک منفرد شناخت ہے۔

میدان صحافت میں بھی انصارؔ نگروری صاحب کی کاوشیں قابل تحسین ہیں۔ ہفت روزہ 'بہاری خبریں' (ہندی) و ہفت روزہ 'ناگرک میل' (ہندی) دہلی، ضلع نامہ نگار

رہے آپ۔آپ کی بے باک نامہ نگاری مشاہدہ اخبارات مذکورہ سے کیا جا سکتا ہے۔

انصارنگروری مشاعروں میں بہت کم شرکت کرتے ہیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ آج کے مشاعروں میں اشعار سے زیادہ ترنم کو ترجیح دی جاتی ہے۔

زمانۂ طالب علمی (ھائی اسکول و انٹر میجیٹ) میں آپ بہت سے تحریری و تقریری مقابلوں، کوئز وغیرہ میں حصہ لیتے اور ان میں ممتاز رہتے تھے چنانچہ بارہا انعام و اکرام اور اعزاز و اسناد سے نوازے گئے ہیں۔ یہ اور بات ہے کہ ادبی خدمات کے لیے باقاعدہ آپکو کوئی اعزاز حاصل نہیں ہے۔انصار صاحب کا کہنا ہے کہ ہمیں ادب کی خدمت کرنا ہے نہ کہ ادب سے یا ادب کے حوالے سے اپنی خدمت کروانا ہے۔جیسا کہ کسی نے کہا ہے ؎

یہ سوچنا فضول ہے دنیا سے کیا ملا
یہ دیکھنا ضرور ہے کیا دے رہے ہیں ہم

شاعری و نثر نگاری کے اعتبار سے انصارنگروری کا اپنا ایک مقام ہے۔ اگر کسی شاعر و نثر نگار کی شخصیت کا اندازہ لگانا ہے تو اس کے افکار، اسکی نگارشات، اس کی تخلیقات اور اسکی فنی و علمی صلاحیت کے ذریعہ اس کی صلاحیت و شخصیت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔اور اس اعتبار سے انصارنگروری کا دامن بہت مالا مال ہے۔

بہر حال اب آیے انصارنگروری کی شعری بصیرت کے تعلق سے کچھ گفتگو کرلیں۔ سب سے پہلے ان کے دو شعر جو کہ حمد کے ہیں، اپنے قارئین کی نذر کرنا چاہتا ہوں ؎

تیرا سب سے بڑا مرتبہ یا خدا		کوئی ثانی نہیں ہے ترا یا خدا
سارے عالم کا تو ہی تو معبود ہے		ہے نہیں کوئی تیرے سِوا یا خدا

حمد کے علاوہ چند اشعار نعت شریف کے ملاحظہ کریں ؎

میرے آقا سے جس کو الفت ہے — رَبِّ اکبر کی اس پہ رحمت ہے
جو غلام شہِ مدینہ ہے — اس کی قسمت میں باغِ جنت ہے

☆☆☆

انصارنگروری نے عہد حاضر کی عکّاسی اپنے قطعات میں کچھ اس طرح کی ہے۔

آج کے دور میں میاں انصارؔ — سب کے ہونٹوں پہ یہ ترانہ ہے
صاف گوئی کی بات کرتے ہو؟ — چاپلوسی کا یہ زمانہ ہے

☆☆☆

اب آیئے انصارنگروری کی غزلوں پر ایک نظر ڈالتے ہیں۔آپ نے جہاں محبت کی خوبصورتی کو موضوع گفتگو بنایا ہے۔

میں نے بھی اس کو پڑھ کے دیکھا ہے — پیار و الفت کی اک کتاب ہے وہ
اس کی تعریف کیا لکھوں انصارؔ — ایک کھلتا ہوا گلاب ہے وہ

☆☆☆

وہیں محبوب کی فطرت اور بے وفائی کو اس انداز میں بیان کیا ہے۔

پہلے تو میرے نام کو دِل سے بھلا دیا
پھر اُس نے میرے سارے خطوں کو جلا دیا
مجھ کو غموں کا زہر بھی اس نے پلا دیا
کیا خوب اس نے میری وفا کا صلا دیا!

☆☆☆

انصارؔنگروری کے افکار واشعار ان کے حالات کی عکّاسی کرتے ہوئے غمزدوں کو حوصلہ دیتے ہوئے، ہر حال میں صبر وقناعت کے ساتھ خوش رہنے کی تلقین کرتے ہیں۔

مجھ کو سکوں کے سائے میسر نہیں کبھی
صدیوں سے غم کی دھوپ میں مر رہا ہوں میں
صدموں سے چور چور ہے انصارؔ دِل مرا
پھر بھی خدا کا شکر ادا کر رہا ہوں میں
☆☆☆

انصارؔ نگروری نیک دلی اور بھلائی کرنے کی ترغیب دیتے ہیں، وہ کہتے ہیں۔

سب کو گلے سے اپنے لگاتے چلے چلو
دریا محبتوں کا بہاتے چلے چلو
کیا جانے کون گذرے یہاں سے تمہارے بعد
ہر سنگ رہگذر سے ہٹاتے چلے چلو
☆☆☆

انصارؔ نگروری کی غزلوں میں کرب کے ساتھ صداقت اور زمانے کے حالات و مزاج کی ترجمانی ہوتی ہے۔

مرے دل کا وہ جس سے رابطہ ہے	وہی مجھ پر ستم کرنے لگا ہے
مِرے قاتل کو آخر کیا ہوا ہے	جو میرا قتل کر کے رو رہا ہے
☆☆☆

دیکھی تھی اک جھلک تمہاری	جبھی سے ہے آنکھوں میں خماری
خفا ہوئے ہو تم جو ہم سے	روٹھ گئی ہے نیند ہماری
عہد رواں میں سچ بولو گے؟	کون سنے گا صدا تمہاری
وہی معتبر ہے اس 'جگ میں'	جس میں جتنی ہے مکّاری!
☆☆☆

انصارؔ نگروری کی انقلابی شاعری کو دیکھتے ہوئے ہم کو پوری امید ہے کہ وہ ایک

یہ کتاب اتر پردیش اردو اکادمی کے مالی
اشتراک سے شائع ہوئی

اس
کتاب کے مندرجات سے
اتر پردیش اردو اکادمی
کا
متفق ہونا ضروری نہیں

روزا اپنے شعری افکار کے دم پر میدانِ سخن میں وہ مقام حاصل کرلیں گے، جس مقام پر بہت ہی کم لوگوں کو فائز ہونے کا موقع فراہم ہوتا ہے۔

منظورؔ بہرائچی
محلّہ قاضی کٹرہ، کٹھل والی مسجد کے پیچھے
ضلع بہرائچ، یو. پی.

نمونہ کلام

۱

ہر کسی سے تو رسم و راہ نہ کر	اپنی دنیا کو یوں تباہ نہ کر
سچ کا گر اعتراف ہے تجھ کو	جھوٹی باتوں پہ واہ واہ نہ کر
جو نظر سے اُتر گیا سب کی	اُس کی جانب کبھی نگاہ نہ کر
جرم کر کے نہ دے مجھے الزام	اب گناہوں پہ بھی گناہ نہ کر
زخم پر زخم دے رہے ہو تم!	اور پھر کہتے ہو کہ "آہ" نہ کر
بات کہہ کر کے جو مکر جائے	اس کو اپنا کبھی گواہ نہ کر

منہ گریباں میں اپنے ڈال کے دیکھ
سب کو انصارؔ انتباہ نہ کر

۲

پہلے تو میرے نام کو دِل سے بھلا دیا　　　پھر اُس نے مرے سارے خطوں کو جلا دیا
مجھ کو غموں کا زہر بھی اُس نے پلا دیا　　　کیا خوب اُس نے میری وفا کا صِلہ دیا
وہ جس کو میں نے صاحبِ خنجر بنا دیا　　　اُس نے ہی میرے حلق پہ خنجر چلا دیا
سوچا تھ میرے نام کو دِل پر لکھے گا، پر　　　کاغذ پہ لکھ کے اُس کو ہوا میں اُڑا دیا
میں تو غموں کا اس لیے ممنون ہوں بہت　　　رنج و الم نے مجھ کو بڑا حوصلہ دیا
شاید اسی لیے تو چمن آب آب ہے　　　چہرے سے آج آپ نے پردہ ہٹا دیا
خوشیوں کی انجمن میں وہ خود تو چلے گئے　　　مجھ کو ہجوم یاس کا لیڈر بنا دیا

انصاؔر اُس کو کیسے کہیں پارسا ہے وہ
کل جس نے آکے میرا نشیمن جَلا دیا

۳

میری ہر اک بات پہ کرنے لگا؛ ہے احتجاج　　　کچھ سمجھ میں ہی نہیں آتا ہے اب اُسکا مزاج
میرے اک آنسو پہ جسکا دِل تڑپ جاتا تھا کل　　　قیدِ غم میں دیکھ کر مجھ کو، وہ کیسے خوش ہے آج
صاف گوئی کی، میاں کرتے ہو باتیں تم عبث　　　جھوٹ اور مکّاریوں کا ہے یہاں پر سامراج
مفلسی میرا مقدّر ہے، اسی میں خوش ہوں میں　　　اے شہِ دوراں! مبارک ہو تجھے یہ تخت و تاج
روزی وُ روٹی کی جیسے فکر ہی ان کو نہیں　　　لگ گئے ہیں شاعری میں چھوڑ کر ہر کام کاج
میری کشتی کو بھنور میں دیکھ کر اے دوستو!　　　بڑھ کے طوفاں دے رہا تھا میری ہمّت کو خراج

نفرتوں کی دھوپ میں کمھلا رہا ہے اِن دِنوں
دیکھئے انصاؔر صاحب! عہدِ حاضر کا سماج

۴

کیا مری ذات سے بھی تم کو گلہ ہے کوئی؟
یار! بتلاؤ نہ گر میری خطا ہے کوئی؟
درحقیقت مجھے معلوم ہے اک مدّت سے
دل کے کاغذ پہ ترے نام لکھا ہے کوئی
تیرے ہونٹوں کے تبسم سے پتا چلتا ہے
تیری امّید کا بھی غنچہ کھلا ہے کوئی
اس لیے مجھ کو یہاں نیند نہیں آتی ہے
میری یادوں میں کہیں جاگ رہا ہے کوئی
اُس نے صحرا و بیاباں کو کیا ہے گلزار
عشق میں تیرے جو دیوانہ ہوا ہے کوئی
مجھ کو رُسوا سرِ بازار کرے گا ایک دِن
ہاتھ دھو کر کے مرے پیچھے پڑا ہے کوئی
ایک نہ ایک دن انصارؔ سے یہ پوچھیں گے
عیش راحت ہے، سکوں ہے کہ بلا ہے کوئی؟

۵

الفت سے تمہارا کوئی رشتہ ہی نہیں تھا
جب ہی تو مجھے پیار سے دیکھا ہی نہیں تھا
گلشن سے کبھی ہو کے تو گذرا ہی نہیں تھا
خاروں سے یہ دامن ترا الجھا ہی نہیں تھا
بےخود تو فقط میں ہی تھا، سچ بات تو یہ ہے
دِل تیرا مری یاد میں تڑپا ہی نہیں تھا
زخموں کا مرے کرتا بھلا کون مداوا
تا حدِّ نظر اپنا مسیحا ہی نہیں تھا
رو داد الم اپنی انہیں کیسے سناتے
جب حال ہمارا کبھی پوچھا ہی نہیں تھا
جس طرح برستی ہیں شب وروز یہ آنکھیں
ساون کبھی اس طرح سے برسا ہی نہیں تھا
الزام لگاتے ہو، لگاتے رہو ہم پر
تم سے تو ہمارا کوئی وعدہ ہی نہیں تھا
انصارؔ بھلا مجھ سے وہ ملتا بھی تو کیسے؟
اظہار محبت کا سلیقہ ہی نہیں تھا

ooOoo

انوارالحق قریشی (انورؔ قریشی)

۱۹۴۷ء

جائے پیدائش: محلّہ منصور گنج، ضلع بہرائچ، یو. پی.

والد: جناب سالار بخش قریشی **والدہ:** محترمہ شمس النساء

تاریخ ولادت: ۱۷/جون ۱۹۴۷ء مطابق ۲۷/رجب ۱۳۶۶ھ

تلمیذ: جناب بشرؔ بہرائچی، محلّہ قاضی پورہ، ضلع بہرائچ

تعلیم: درجہ آٹھ اردو **مشغلہ:** کاروبار

شعری تخلیقات: اردو، ہندی اخبار ورسائل میں کلام کی اشاعت

انعام واعزاز: غزل ایوارڈ، ودیگر متعدد ادبی اسناد

مکمل پتہ: نزد موہن جراح، چاند پورہ، بہرائچ، یو. پی. ۲۷۱۸۰۱

موبائل: 9889441657

تعارف

پورا نام انوار الحق، قلمی نام انورؔ قریشی۔ محلّہ منصور گنج (چکون ٹولہ) بہرائچ کے رہنے والے۔ ان کے والد محترم کا نام سالار بخش قریشی تھا۔

جہاں تک انور قریشی کی علمی صلاحیت اور ذاتی بصیرت کا سوال ہے تو اس میں شبہ کی گنجائش نہیں ہے۔ انھوں نے ابتدائی تعلیم چھوٹی تکیہ سے حاصل کی اور آزاد انٹر کالج بہرائچ سے جونیر ہائی اسکول کا امتحان پاس کیا۔ یہ مرحوم شوکت علی بشرؔ بہرائچی کے شاگرد ہیں۔ ۱۹۷۵ء میں میدان شاعری میں قدم رکھا اور آج تک اسی راہ پر گامزن اور رواں دواں ہیں۔ سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ عمر رسیدہ ہو جانے کے بعد بھی انکے ترنّم پر کسی قسم کا اثر نہیں پڑا ہے۔ کلام میں صفائی و سُتھرائی ہے۔ عصری تقاضوں کا میلان بہت مزہ دیتا ہے۔ قدامت پسندی کے دلدادہ ہیں کیونکہ خود جس شاعر کے شاگرد ہیں وہ بھی قدامت پسند تھے اور انھیں کی اتباع و پیروی میں لگے ہوئے ہیں۔ سب سے بڑی بات یہ ہے کہ استاذ کے انتقال کسی دوسرے استاذ کے دروازے پر دستک نہیں دی۔ بلکہ اپنے بل بوتے پر خود شعر کہتے ہیں۔ نشستوں اور مشاعروں میں اعتماد کے ساتھ اپنا کلام پیش کرتے ہیں۔ ہچکچاہٹ نہیں محسوس کرتے۔ انہیں اپنی سخن گوئی پر پورا بھروسہ ہے۔ یہ اور بات ہے کہ کبھی کبھار کوئی لغزش ہو جائے تو شہر کے بزرگ اور پیش رو شعراء کرام سے رابطہ قائم کر کے اس کا ازالہ کر لیتے ہیں۔ یہ بہت بڑی بات ہے کہ جو شخص آئینۂ شاعری (شعری علوم) سے ناواقف وہ ضابطوں کی پابندی کرتے ہوئے شعر موزوں کر لے۔

اب ان کے اخلاق و کردار کی بات آتی ہے۔ یہ نہایت وضع دار خوش اخلاق و اطوار، خوش بیاں سنجیدہ مزاج ہیں، بزرگوں کا بڑا احترام کرتے ہیں۔ چھوٹوں پر اپنا دستِ شفقت بھی رکھتے ہیں۔ یہ اُنہیں لوگوں سے ملتے ہیں جنہیں مونس و غمگسار اور انسان دوست

سمجھتے ہیں۔ساتھ ساتھ مذہبی بیداری کا بھی بڑا حصہ ملا ہے۔

ڈاکٹر عبرتؔ بہرائچی

حلقۂ فکر ونظر:

ایک اخباری انٹرویو میں انورؔ قریشی نے موجودہ شاعری کے بارے میں اپنے خیال کا اظہار کچھ اس طرح سے کیا:

''موجودہ شاعری میں بڑا بدلاؤ آ گیا ہے۔نو جوان شاعر و ادیب اردو سیکھنے و سمجھنے کی جدو جہد نہیں کرتا، بلکہ مشاعروں اور نشستوں میں پہنچنے کے لیے آسان راستہ ڈھونڈتا ہے۔دوسرے شاعروں سے لکھا کر پڑھنا اب تو عام بات ہو گئی ہے۔ اس کے علاوہ موجودہ مشاعروں نے تجارت کی شکل اختیار کر لی ہے، جس کا ذمہ دار شاعر ہے، کیونکہ اسے اردو ادب کی خدمات سے کوئی لینا دینا نہیں بلکہ انکے کھانے پینے سمیت سبھی سہولتیں اور خرچ پورے ہونے چاہئے۔موجودہ حالات میں اردوادب سے جڑی تنظیموں و شاعروں نے اردو کے نام پر خود کو مضبوط و محفوظ کیا ہے۔جس سے اردو کو کچھ نہیں ملا۔''

☆☆☆

نمونہ کلام

۱

درد ہی کم نہ ہو جس سے وہ مداوا کیا ہے　　جس کے سائے میں جلے جسم، وہ سایہ کیا ہے
درد ہی زیست ہو پھر دیکھئے جینے کا مزہ　　زندگی درد سے خالی ہو، تو جینا کیا ہے
غم ہی وہ شے ہے، میں جیتا ہوں سہارے جس کے　　لوگ کہتے ہیں غموں سے مرا رشتہ کیا ہے
زندگی کل یہ رہے یا نہ رہے، کیا معلوم　　آج کی بات کرو، کل کا بھروسہ کیا ہے
بندشیں لاکھ لگاتی ہے، لگائے دنیا　　وہ ہمارے ہیں تو دنیا کا اجارہ کیا ہے
رازِ دل آپ سے اور میں نہ کہوں میری مجال!　　میرے ہم راز ہو پھر آپ سے پردہ کیا ہے

اور آگے ابھی باقی ہے بہت کچھ انورؔ
راہ الفت میں ابھی آپ نے دیکھا کیا ہے

۲

جو ہوں بہتر ہوں، مجھے اور تماشا نہ بنا　　مجھ کو انسان ہی رہنے دے فرشتہ نہ بنا
میرا غم ہی مرا سب کچھ ہے، مسیحا میرے!　　تو مرے غم کے لیے کوئی مداوا نہ بنا
دست بستہ یہ گزارش ہے مری تیرے حضور　　بات کو بات ہی رہنے دے، فسانہ نہ بنا
میں تو پہلے ہی پریشاں ہوں ترے وعدوں سے　　میرے محبوب! کوئی اور بہانہ نہ بنا
آرزو ہے یہی اب چین سے جینے دے مجھے　　زندگی کو مری اے یار معمہ نہ بنا

دے کے انورؔ کو بُلندی اِسے مغرور نہ کر
بس یہ قطرہ ہی بہت ہے، اسے دریا نہ بنا

۴

ہم پہ گذری ہیں جو الفت میں بتائیں کیا کیا؟　　سیکڑوں غم کے فسانے ہیں، سنائیں کیا کیا؟
سُن لیا آپ نے کافی ہے فسانہ غم کا　　دردِ دِل، زخمِ جگر اور دکھائیں کیا کیا؟
بعد جانے کے ترے پوچھ نہ جانے والے　　چل گئیں ہم پہ زمانے کی ہوائیں کیا کیا؟
لُٹ گئے ہوش وخرد لُٹ گئے دِل کے ارماں　　زندگی تو ہی بتا اور لٹائیں کیا کیا؟
تری آنکھیں، تری زلفیں، ترے رخسار صنم!　　با خدا ہم ہیں پریشاں، بھلائیں کیا کیا؟
سہ لیا ہم نے ہر اک ظلم وستم اے انورؔ
دیکھئے اور وہ کرتے ہیں جفائیں کیا کیا؟

متفرق اشعار

ہے پیاسا چند ہی قطروں کا طالب
ہوس ہے، جو کہ دریا مانگتی ہے

☆☆☆

اے مرے کاتبِ تقدیر! تمنا ہے یہی
خاک ہو جائیں مدینے کی، وہ قسمت دے دے

☆☆☆

نہ مری کوئی حقیقت، نہ مرا کوئی فسانہ
مرے کربِ مستقل کو نہ سمجھ سکا زمانہ

☆☆☆

اطہراللہ خاں (اطہر رحمانی)

۱۹۴۳ء

جائے پیدائش: محلہ گدڑی، ضلع بہرائچ، یو. پی.

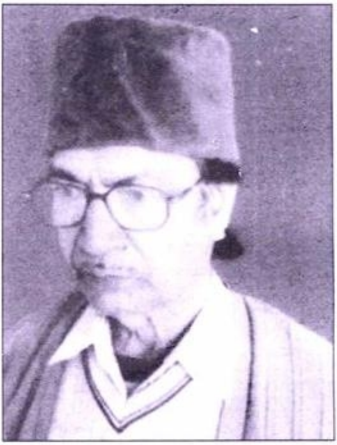

والد: جناب محمد اللہ خاں   **والدہ:** محترمہ آمنہ خاتون

تاریخ ولادت: ۱۵/نومبر ۱۹۴۳ء مطابق ۱۶/ذیقعدہ ۱۳۶۲ھ

تلمیذ: جناب عبدالرحمٰن خاں وصفی، محلہ قاضی پورہ، ضلع بہرائچ

تعلیم: ہائی اسکول   **مشغلہ:** علم وادب سے لگاؤ (کتب بینی)

شعری تخلیقات: ''تبسم حیات''، ''گفتگو'' اور ''مہکتے لفظ''

انعام واعزاز: غزل ایوارڈ، اعزازی سند وکاویہ سمان

مکمل پتہ: محلہ قاضی پورہ، گلاچین مسجد، بہرائچ، یو. پی.

موبائل: 7860977822

تعارف

اطہر رحمانی کا شمار اس چند بے لوث خدامان ادب میں کیا جا سکتا ہے جنہیں شہرت اور خطابات کے وقتی اور بکھر جانے والے جھونکوں نے کبھی احساسِ کمتری میں مبتلا نہیں کیا بلکہ اس برعکس ان کے ہونٹوں پر ایک پر اسرار گہری اور باوقار مسکراہٹ کھیلتی رہی۔

نعت وغزل کا یہ البیلا شاعر صلۂ ستائش سے بے نیاز عروس شاعری کی نہ صرف زلفیں سنوارتا ہے بلکہ بے راہ روی کی گرد بھی اس کے چہرے سے صاف کرتے رہنے کی سعی کرتا ہے۔ اطہر رحمانی اپنے مانوس دلنواز سبک نرم روی سے قاری کو متاثر کرتے رہے ہیں۔ان کے احساسات میں خوشی وغم کے فطری تقاضے ملتے ہیں۔موزونیت کی خوشبو مطالعہ کی دھمک وہ ہر بزم میں چھوڑ جاتے ہیں خودنمائی اور خود فریبی کو ساتھ چلنے کی اجازت نہیں لیکن کسی حال میں شاعرانہ انا کو ٹھیس نہیں لگنے دیتے۔

زودگوئی بلا کی ہے۔خداداد صلاحیت کی بنا پر ان کے مشفق استاد اور دنیائے ادب کی ایک قدآور شخصیت حضرت عبدالرحمٰن خاں صاحب وصفی نے انہیں جو بتایا اس سے کہیں زیادہ ان کے قریب رہ کر حاصل کرنے کی کوشش کی اس لیے ان کے یہاں سلیقہ بھی ہے اور دلنواز شاعری بھی۔

اطہر رحمانی صاحب صاحب اپنے ہم عصر شعرا میں ایک مخصوص مقام رکھتے ہیں۔قدرت نے انہیں حساس طبیت کا مالک بنایا ہے اور مزاج کی رنگینی عطا کی ہے۔اِن کے انداز بیاں میں شوخی پائی جاتی ہے یہی وجہ ہے کہ ان کے کلام میں جس عشق ومحبت کی ترجمانی ملتی ہے وہ صرف ترغیبات جنسی نہیں پیش کرتی بلکہ اس میں حقیقت کے جلوؤں کی جلوہ آرائی بھی ملے گی اور تصوف کی چاشنی بھی ہوگی۔ یہ صفت اگر کہوں کہ انہیں ورثہ میں ملی ہے تو بے جا نہ ہوگا۔اچھے شعر کی تعریف یہ ہے کہ وہ سامع کے دل میں اتر جائے۔اس روشنی

مرتب: ایک نظر میں

نام: شمیم اقبال خاں
ولادت: بہرائچ، یکم ستمبر ۱۹۴۶ء
تعلیم: بی۔اے۔
ملازمت: انسپکٹر پولیس کے عہدے سے رٹائرڈ (اگست ۲۰۰۶ء)
انعام و اعزاز: ☆ ریاستی حکومت سے امتیازی خدمات کا اعزازی نشان (۱۹۹۴)
☆ آزادی کی سلور جبلی پر مرکزی حکومت کا میڈل (۱۹۹۷ء)
☆ صدر جمہوریہ کا پولیس میڈل (۱۹۹۸ء)
☆ محکمہ سے مختلف نقد انعامات و توصیفی اسناد
☆ اتر پردیش راجیہ سڑک پریوہن نگم کی طرف سے تاعمر مفت پاس
اختصاص: کمپیوٹر پروگرامنگ، ٹیچنگ و ڈی.ٹی.پی.
مشغلہ: تصنیف و تالیف
تخلیقات: ۱. مشاعرہ جشن لکھنؤ ۲۰۰۵ (ہندی) مطبوعہ ۲۰۰۶ء
۲. سچے موتی (اردو) مطبوعہ ۲۰۰۸ء
۳. مائکروسافٹ آفس (ہندی) مطبوعہ ۲۰۰۸ء
۴. طوفان : دیوان شوق بہرائچی، (اردو) مطبوعہ ۲۰۱۱ء
۵. ذھیب جنرل نالج (اردو) مطبوعہ اردو اکیڈمی سے انعام یافتہ ۲۰۱۴ء
۷. دبستان بہرائچ زیر طبع
۸. پروفیسر ملک زادہ منظور احمد کی وفاتی تحریروں کا مجموعہ 'کسک' زیر طبع
۹. مختلف موضوعات پر کتابچے (اردو، ہندی)
۱۰. مشاعرے، لکھنؤ مہوتسو ۲۰۰۶ و ۲۰۰۷ء (ہندی) غیر مطبوعہ
۱۱. جشن لکھنؤ کے مشاعرے ۲۰۰۱ تا ۲۰۰۷ء (اردو، ہندی) غیر مطبوعہ
۱۲. دلا ور فگار۔ منتخب کلام (ہندی) غیر مطبوعہ
۱۳. نوابی اودھ (اردو، ہندی) غیر مطبوعہ
۱۴. اردو اخبارات میں مراسلے و مضامین
۱۵. ہندی رسالوں میں شائع متعدد مضامین

میں ہم جب کلام اطہؔر دیکھتے ہیں تو وہ ہمیں اس شرط پر پورے اترتے نظر آتے ہیں۔

اسرارالہ آبادی

نمونہ کلام

۱

ہوا ہے دل پہ یادوں کا اثر آہستہ آہستہ　　　کہ بڑھتا جائے ہے دردِ جگر آہستہ آہستہ
ہماری ہر خوشی میں زندگی کا درد پنہاں ہے　　　کہیں پہنچے نہ ان تک یہ خبر آہستہ آہستہ
ابھی تو آنکھ روتی ہے، ابھی تو دِل مچلتا ہے　　　تمہیں ہم بھول جائیں گے مگر آہستہ آہستہ
سلگتے ہیں تمہاری یاد میں قلب وجگر اپنے　　　سکوں پائیں گے یہ قلب وجگر آہستہ آہستہ
کبھی فرصت ملے عہد وفا تم یاد کر لینا　　　خطائیں کر چکے ہم در گذر آہستہ آہستہ
بہت ہی مطمئن تھی جن کو پا کر زندگی اپنی　　　بدل کر وہ ہی بیٹھے ہیں نظر آہستہ آہستہ
جو بن کر سلطنت رہتا تھا دِل کے پاس اطہؔر کے
ہوا وہ حالِ دِل سے بے خبر آہستہ آہستہ

۲

سایۂ زلف و ابرِ کرم ہے غزل　　　قولِ فیصل کہ روئے صنم ہے غزل
شانِ محبوبیت کا تو ثانی نہیں　　　شہرِ خوباں میں بھی محترم ہے غزل
روئے زیبا ہوا درد سے مضمحل　　　آج اوڑھے ردائے ستم ہے غزل
ہیں کہاں اس کے چہرے پہ رعنائیاں　　　اب تو اک داستانِ الم ہے غزل
تیرے آگے حریفوں کے سر خم ہوئے　　　ایسا رکھتی تو جاہ و حشم ہے غزل
تیری نسبت سے اطہؔر ہوا سرخرو　　　اس پہ تیرا جو فیضِ کرم ہے غزل

۳

دِل و جاں حسن کی جاگیر شاید یہی ہے عشق کی تفسیر شائد
پئے تسکیں لگا رکھا ہے دل سے بھلا دے غم تری تصویر شاید
ملے کاغذ پہ کچھ آنسو کے دھبّے یہ بیتی شب کی ہے تحریر شاید
کہاں سے لاؤں میں رنگ تغزل غزل ہے درد کی جاگیر شاید
کئے جا شوق سے صحرا نوردی یہی ہے عشق کی تقدیر شاید
قدم پھر جانب صحرا اُٹھے ہیں جنوں نے توڑ دی زنجیر شاید
کروں کیوں آبلہ پائی کا شکوہ مرے خوابوں کی ہے تعبیر شائد
مجھے پڑھکر تو دیکھیں آپ اطہرؔ
ملے غزلوں میں رنگ میرؔ شاید

۴

جس کو میری حقیقت کہانی لگے اشکِ غم بھی مرا اس کو پانی لگے
آؤ ہنس کر اجل کو لگا لیں گلے موت ہی میں چھپی زندگانی لگے
بھینی بھینی ہے خوشبو بدن کی ترے جیسے مہکی ہوئی رات رانی لگے
بے حجاب آ گیا کوئی گلشن میں کیا؟ صبحِ نو آج کتنی سہانی لگے
اہل دِل جس کو کہتے ہیں شام الم میری غزلوں کی وہ ترجمانی لگے
نوکِ مژگاں پہ جلتے ہیں غم کے دیے قطرۂ اشک بھی ارغوانی لگے
قلبِ اطہرؔ تو ہے وقفِ نازِ صنم
اب گراں دِل کو ہر شادمانی لگے

زبان زدو معروف اشعار:

فصیلِ جسم سے باہر نکل کے دیکھ ذرا
تری حیات ترا انتظار کرتی ہے

☆☆☆

تیری مدحت میں لٹا دیتا میں لفظوں کے گہر
میؔر سا میں بھی اگر کوئی سخنور ہوتا

☆☆☆

سونا سونا ہے دوالی میں گھروندا گھر کا
جانے کب سستا یہ مٹی کا کھلونا ہوگا

☆☆☆

کبھی جو دی تھی دعا ماں نے پیار سے اطہؔر
وہی دعا تو مجھے باوقار کرتی ہے

ooOoo

عبدالعزیز خاں (ڈاکٹر عبرتؔ بہرائچی)

۱۹۲۷ء

جائے پیدائش: شہر بہرائچ، یو. پی.

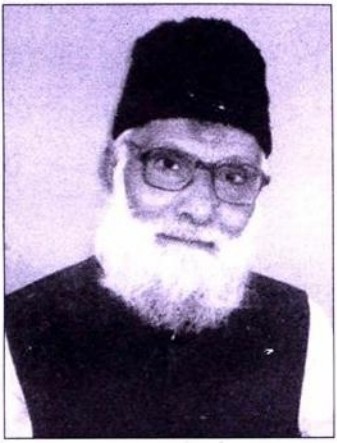

والد: جناب عبدالشکور خان صاحب **والدہ:** محترمہ زہرہ بیگم صاحبہ

تاریخ ولادت: ۱ر جنوری ۱۹۲۷ء **مطابق:** ۲۵ر جمادی الثانی ۱۳۴۵ھ

تعلیم: بی. اے. **مشغلہ:** شعر و شاعری

تلمیذ: مرحوم نشور واحدی **استاد کا مکمل پتہ:** ناظر باغ، کانپور

تخلیقات: ۴۳ر کتابیں جن میں اسلامی موضوعات پر تقریباً دس کتابیں بھی شامل ہیں۔

انعام و اعزاز: مطبوعہ مختلف کتب پر توصیفی اسناد و انعام و اعزاز۔

مکمل پتہ: محلّہ ناظر پورہ، بہرائچ، یو. پی.

موبائل: 9919514561

تعارف

ڈاکٹر عبدالعزیز خاں عبرتؔ بہرائچی اردو شاعری کے سدا بہار شاعر ہیں۔ ان میں مذاق شعری کا عنصر وراثتاً دادا اضامن علی خاں انیقؔ بہرائچی جو میر انیس کے دور کے معروف شاعر تھے، سے منتقل ہوا تھا۔ لہذا عبرتؔ بہرائچی کی صورت میں وہ عنفوان شباب ہی میں افق شاعری پر طلوع ہوئے۔ طرۂ کمال یہ کہ بہتوں کی طرح اپنی تخلیقی کاوشوں کا کمالِ فن کے حصول کے بعد چھان پھٹک کر کلیات کی شکل میں پیش کرنے کے بجائے ابتدا سے ہی تسلسل کے ساتھ گلدستوں اور مجموعوں کی شکل میں پیش کرتے رہے۔ حمد، نعت، منقبت، مرثیہ، قصیدہ، نظم، غزل، مسدس، مخمس، قطعہ، رباعی، ہائیکو وغیرہ بیشتر اصناف شعری پر مشق سخن کرتے ہوئے اٹھارہ شعری مجموعوں کی تخلیق کی جن میں خوب سے خوب تر کی جستجو اور ادبی وفنی ارتقا کی جھلک واضح نظر آتی ہے۔ انھوں نے منظر عام سے کبھی کچھ مخفی نہیں رکھا۔ بقول عبرتؔ:

تم نے جو کچھ کہا، میں نے جو کچھ کہا
کر رہا ہوں وہی تو رقم آج تک

شاعری کے علاوہ ان کی جولانی طبع نے میدان نثر کو بھی پانی کیا ہے۔ نثری تصنیف میں ہمارے معاصرین، آئین شاعری، ''نفوس رفتگاں''، ''نقوش رفتگاں''، ''ناموران بہرائچ''، اور ''کشت دیگراں'' قابل ذکر ہیں تو ادب اطفال میں اسلامی معلومات کے اضافے اور فروغ کے لیے ''نجوم رسالت'' دو حصوں میں ''روزہ کیا ہے؟''، ''آپ کیوں نہیں جانتے؟''، ''کیا آپ جانتے ہیں''؟، ''یہ جاننا بھی بیحد ضروری

ہے''، '' قرآن کریم کیا ہے؟''، ''خضرِ منزل'' تین حصوں میں اور معلومات عامہ کے ضمن میں ''اردو کی بنیادی باتیں''، ''خضر معلومات'' جیسی مفید تالیفات پیش کیں جو ہاتھوں ہاتھ لی گئیں۔

شعری مجموعہ میں ''وجہ لوح وقلم''، ''باعث کن فکاں''، ''صاحب اسریٰ''، ''عظیم کردار''، ''اخوت کا امین''، ''آبروئے ہر دو جہاں''، مجموعہ ہائے نعت''، ''آفتاب حریت ،مجموعہ منقبت''، ''لگن'' اردو نظموں کا مجموعہ اور ''ہم ایک ہیں'' ہندی نظموں کا مجموعہ ''متاع زیست''، تحقیق و جستجو، ''نشاط درد''، ''موج فکر''، ''افکار وخیالات''، ''اوراق دِل'' مجموعہ ہائے غزلیات ہیں اور '' درنا سفتہ'' سترہ غزلوں، اکیس رباعیوں، پچیس ہائکو کا مجموعہ ہے۔ تقریباً پچپن برسوں کی جاں سوزی کے یہ ثمرات ہیں ''جو ہرگز نہ مٹنے دیں گے نام ونشانِ عبرت'' کے ضامن ہیں۔

ڈاکٹر عبرتؔ کے رشحات قلم سے فطری معالج، دردمند دل اور تہذیب وتطہیر کی پابند زندگی کی جھلک نمایا ہے۔ دنیائے شاعری میں کئی معالج وطبیب ہوئے ہیں جن کی شاعری تفنن طبع کی خاطر معرض وجود میں آئی لیکن ڈاکٹر عبرت کے قلم پر ''شعر جب لکھنا کوئی، حاصل عبرت لکھنا'' کا جذبہ حاوی رہا۔ اس لیے ان کی شاعری میں ادبی لطافت اور جمالیاتی چاشنی کے ساتھ ساتھ تطہیر زندگی کے نکتے و نسخے بھی خوب ہیں۔

معالج فسد کھولتا ہی نہیں مرہم بھی رکھتا ہے۔ ڈاکٹر عبرتؔ بہرائچی درد آشنا ہیں اس لیے ان کی شاعری میں انسانی تہذیب وتمدن کا سرمایہ بننے کے عناصر بدرجۂ اتم موجود ہیں۔ بہت صحیح کہا ہے ڈاکٹر عالم سرحدی نے کہ ''اظہار میں سچائی کا احساس جب روایت کی اہمیت کو شامل کر لے تو ذکر وفکر کی نئی عمارت دوسری عمارتوں میں اپنی حیثیت ممتاز بنا لیتی ہے''۔

عبرتؔ کی شاعری میں طرۂ امتیاز کا یہ عنصر نمایاں ہے۔ یعنی ڈاکٹر عبرتؔ متقدین

متوسطین اور متاخرین ادب سے روشنی حاصل کرتے ہوئے جب آج کی شاعری کے نگار خانہ میں داخل ہوئے تو رنگارنگ عکسوں کی بصیرت سے مرعوب نہیں ہوئے بلکہ اپنے فکری رویے کے بل پر کھڑا ہونے کا حوصلہ دکھایا۔ اس لیے ان کے کلام میں زندہ رہنے کی صلاحیت خوب ہے۔

ڈاکٹر عبرتؔ اسلامی پس منظر رکھتے ہیں اس لیے ان کی شاعری کا معتد بہ حصہ اس کا عکاس ہے مگر ''بنتی نہیں ہے بادہ و ساغر کہے بغیر'' کے مصداق میدان غزل میں بھی ان کی افتادِ طبع نے خوب جلوے دکھائے ہیں۔

تہذیبی شکست و ریخت کے پس پشت سفیران برق کی کارستانیاں ہی کارفرما ہیں ذرا غور فرمائیں ان کے مضمرات پر کہ فضا سے دروں خانہ تک اور ظاہر سے باطن تک جو تماشائے رنگارنگ نظر آتا ہے اس میں سارا جہاں محو ہے، اس کے مضمرات سے بے پروا نتیجہ سامنے ہے۔ عبرتؔ نے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ انجام دینے کی اپنی شاعری کے ذریعہ جو کوشش کی ہے اس میں کامیاب نظر آتے ہیں۔

ہم نفس کے نرغے میں بھی رہتے ہوئے عبرتؔ زائل کبھی ایماں کی حرارت نہیں کرتے

آج کے دور میں یہ قابل ستائش جذبہ ہے۔ میں سمجھتا ہوں یہ جذبہ وخلوص ان کی شاعری کو ہمیشہ زندہ رکھے گا۔

ڈاکٹر امام اعظم

ریجنل ڈائرکٹر (مولانا آزاد قومی اردو یونیورسٹی) دربھنگا، بہار

فون:09431085816

''.....عبرتؔ صاحب نے اپنے علمی درخت کے تار و پود میں معتبر اساتذہ اردو کی صحبت اور اردو کے حلقوں سے وابستہ رہنا ہمیشہ قائم رکھا۔ چنانچہ شروع میں گونڈہ کی ملازمت کے دوران جگرؔ مرادآبادی کی خدمت میں تین سال تک حاضری اور حضرت نشورؔ

واحدی کی شاگردی قابل ذکر ہیں۔ دوسری طرف صوبہٗ اتر پردیش اور ملک گیر سطح کے مقتدر رسائل وجرائد نے آپ کے کلام کو اپنی زینت بنایا اور آپ کی تخلیقات نے آپ کو حلقہٗ اردو میں بہترین طریقوں سے متارف کرایا۔

آل انڈیا ریڈیو لکھنؤ سے ایک معاہدہ کے مطابق آپ کی غزلیں متعدد گلوکاران کی بہترین آوازوں میں ڈھل کر جہاں ایک طرف سامعین کو محظوظ کرتی رہیں وہیں عبرتؔ صاحب کے قلم کو ایک سند اعتبار بھی دیتی رہی ہیں۔ آپ کی تخلیقات نے بیرونِ ملک شائقین اردو کو بھی متاثر کیا اور ریڈیو تاشقند آپ کی مشہور نظم بعنوان ''باپوٗ'' ریلے کر چکا ہے۔ آل انڈیا ریڈیو لکھنؤ سے پانچ بار آپ براہ راست براڈ کاسٹ کے ذریعہ اپنی غزلیں سنا چکے ہیں۔

اس طور پر قلم کا دھنی یہ عاشق اردو گذشتہ پچپن سال سے اپنی علمی طبع آزمائی کو کسی نہ کسی شکل میں مقید ومحفوظ کچھ اس طرح کرتا آ رہا ہے کہ آنے والی نسلیں اس سے استفادہ کرتی رہیں اور یہ سلسلہ تادم تحریر جاری وساری رہے۔''

از سید خالد محمود

تربھون یونیورسٹی، نیپال

نمونہ کلام

۱

مانگوں جو دوستی تو مجھے دشمنی ملے　　چاہوں اگر خوشی تو غمِ زندگی ملے
ٹھہرے ہوئے جہاں ہوں خزاؤں کے قافلے　　ممکن نہیں گلوں کو وہاں تازگی ملے
راہ وفا میں ساتھ جو کچھ دور چل سکے　　میں ڈھونڈتا ہوں ایسا کوئی آدمی ملے
پیاسے تو ایک بوند کو ترسے ہیں ساقیا!　　جو چھک چکے ہیں ان کو صراحی بھری ملے
ظلمت کی وادیوں سے نکل کر اے ساتھیو!　　ایسی جگہ چلو کہ جہاں روشنی ملے
لکھی تو ہیں نصیب میں دَر دَر کی ٹھوکریں　　ایسا کہاں نصیب تری رہبری ملے

عبرتؔ میں جا رہا ہوں دیارِ حبیب میں
اور لب پہ ہے دعا کہ نئی زندگی ملے

۲

اب اور طول شبِ انتظار مت کرنا　　میں غمزدہ ہوں کوئی اور وار مت کرنا
قدم قدم پہ دکھائے گی سبز باغ تمہیں　　کبھی خرد سے کوئی کار و بار مت کرنا
نہ جانے کون سی منزل پہ نیند آ جائے　　سفر سفر ہے مرا انتظار مت کر نا
نہ جانے کس کا مرے ہاتھ میں گریباں ہو　　خزاں کے دور میں ذکرِ بہار مت کرنا
جو تم کو منزل مقصود سے ملا نہ سکے　　وہ راستہ بھی کبھی اختیار مت کرنا
یہی تو بات بتاتے ہیں رہبرانِ وطن　　جو تم پہ وار کرے اس پہ وار مت کرنا

ملو خلوص سے ہر ایک سے میاں عبرتؔ!
پڑوسیوں پہ مگر اعتبار مت کرنا

۳

ایک غیرت مند ایسا کام کیسے کر گیا اپنی خود داری کو وہ نیلام کیسے کر گیا
رند مفلس کو عطا وہ جام کیسے کر گیا یہ نوازش ایک دُردآشنام کیسے کر گیا
حُریت ہے نام جس کا، جس کا خودداری لباس وہ پرندہ خود کو زیر دام کیسے کر گیا
دیکھنا میری طرف جس کو گوارہ ہی نہ تھا تذکرہ میرا وہ صبح و شام کیسے کر گیا
پھول کے بستر نہ دے پائے جسے چین وقرار سیج پر کانٹوں کی وہ آرام کیسے کر گیا
لے کے پانی ہاتھ میں دریا کو واپس کر دیا سوچئے یہ کام تشنہ کام کیسے کر گیا
تھا اہنسا جس کا نعرہ، جس کی دعوت ایکتا
شہر میں عبرتؔ وہ قتل عام کیسے کر گیا

۴

کامیاب و کامراں اردو زباں ہے شفیق و مہرباں اردو زباں
ملک کی دیگر زبانیں کارواں اور میری کارواں اردو زباں
مٹ نہیں سکتی مٹانے سے کبھی صوفیوں سنتوں کی جاں اردو زباں
کتنے روشن کر دیے اس نے دماغ ہے مثال کہکشاں اردو زباں
پھول کھلتے ہیں وفاؤں کے جہاں وہ ہے رنگیں گلستاں اردو زباں
آج تو ہر اک نظر میں خار ہے تھی کبھی آرام جاں اردو زباں
لاکھ اے عبرتؔ یہ ہے غم کا شکار
پھر بھی لگتی ہے جواں اردو زباں

فہرست

نمبر شمار	مضمون	صفحہ نمبر
۱	پیشِ لفظ واصف فاروقی	۶
۲	اپنی بات شمیم اقبال خاں	۸
۳	محمد ایاز بیگ (ایمن چغتائی)	۱۰
۴	محمد علی (اختر ناناپاروی)	۲۱
۵	عقیل احمد صدیقی (انجم صدیقی)	۲۷
۶	انصار احمد انصاری (انصار نگروری)	۳۳
۷	انوارالحق قریشی (انور قریشی)	۴۱
۸	اطہراللہ خاں (اطہر رحمانی)	۴۶
۹	عبدالعزیز خاں (ڈاکٹر عبرت بہرائچی)	۵۱
۱۰	ڈاکٹر مبارک علی (مبارک بہرائچی)	۵۸
۱۱	ڈاکٹر قمر رئیس (رئیس بہرائچی)	۶۵
۱۲	فوق بہرائچی (فوق بہرائچی)	۷۱
۱۳	غوث محمد حسانی (حافظ غوث)	۷۶
۱۴	عبدالرؤف خاں (حکیم جوہر)	۸۱
۱۵	محمد انقلاب اشرفی (انقلاب)	۹۰
۱۶	عبدالعلیم خاں (جمال آزر)	۹۴
۱۷	سید خالد محمود	۹۹
۱۸	منظور حسن (منظور بہرائچی)	۱۰۶
۱۹	سید محسن رضا زیدی (محسن زیدی)	۱۱۲
۰۲	ارمان علی (مومن برکاتی)	۱۲۰
۲۱	عبدالحفیظ (نظر بہرائچی)	۱۲۵
۲۲	رئیس احمد صدیقی (رئیس بہرائچی)	۱۳۰
۲۳	سید ساغر مہدی	۱۳۷

ڈاکٹر مبارک علی (مبارکؔ بہرائچی)

۱۹۵۵ء

جائے پیدائش: محلّہ برہمنی پورہ، ضلع بہرائچ، یو. پی.

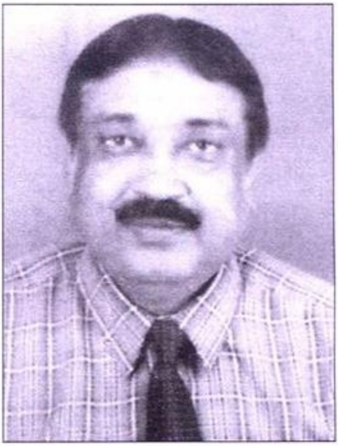

والد: جناب بشارت علی صاحب **والدہ:** محترمہ نور جہاں صاحبہ

تاریخ ولادت: ۴؍جنوری ۱۹۵۵ء مطابق: ۹؍جمادی الاول ۱۳۷۴ھ

تلمیذ: نعمتؔ بہرائچی **استاد کا پتہ:** محلّہ قاضی پورہ، بہرائچ

تعلیم: پوسٹ گریجویٹ (اردو، ہسٹری) طبی اسناد **مشغلہ:** علاج معالجہ/ادبی خدمات، ادبی کتابوں کا مطالعہ، شاعری۔

انعام واعزاز: کبیر اقلم اوارڈ، شعلہ عبرتی اوارڈ، غزل اوارڈ، کاویہ شری اوارڈ، سارسوت سمان، ساہتیہ شری، ملکھیہ سمان، دیگر مختلف انعام واکرام۔

مکمل پتہ: ۵۳۰۔ چاند پورہ، بہرائچ، یو. پی.

موبائل: 9839075686

تعارف

اتر پردیش کا خطہ اودھ جن بے شمار خوبیوں کی بنا پر زبان زد خلائق اور ادب و زبان کے حوالے سے معروف ہے ان میں سے ایک اہم ترین وصف درس تعلیم شعروسخن اور اس میدان میں جلد از جلد وقفۂ قلیل میں حق شاگردی ادا کر کے شعر گوئی کے میدان میں گھٹنوں کے بل چل کر شہہ سواری کر لینا مسلم حقیقت ہے۔کم عمری میں زبان وادب سے رغبت ،نوجوانی میں ہی کسی کہنہ مشق کے آگے زانوے تلمذ تہہ کرنا اور پھر استاد کے ابروئے چشم سے بہت کچھ حاصل کر کے شعر گوئی پر مکمل اختیار حاصل کر لینا شہر شہر شعرا اردو میں کثرت سے دستیاب ہیں۔

ہند۔نیپال کے دامن میں واقع شہر بہرائچ بھی اودھ کا وہ زرخیز حصہ ہے جس نے شوقؔ بہرائچی، محسن زیدی، شفیقؔ بریلوی،ثم بہرائچی ،شاعر جمالی، حامد بہرائچی وعنبر بہرائچی جیسے شعراءکوجنم دیا۔ چند بزرگ شعرا کرام جنھوں نے خاصی درازعمر حاصل کر کے چمنستان اردو کی بھرپور آبیاری میں نصف صدی سے زائد خدمات پیش کی ہیں۔ان میں ایک حضرت نعمت بہرائچی نے ابھی حال ہی میں داعی اجل کو لبیک کہا ہے۔اس کہنۂ مشق شاعر نے اپنے جس ایک شاگرد پر ہمیشہ فخر کیا وہ نام ڈاکٹر مبارکؔ بہرائچی کا ہے جن کے بارے میں معمر استاد نے کہا تھا کہ ''درس شعر گوئی میں بلندیوں کو چھونا استاد پر نہیں شاگرد کی مشقت پر منحصر کرتا ہے''۔

ڈاکٹر مبارکؔ علی اپنے والد محترم بشارت علی مرحوم مغفور کے لائق اسم بامسمی فرزند ہیں جنھوں نے ڈاکٹری کے پیشہ سے بہت کچھ استفادہ کر کے شعروسخن کی ایک ایک رگ سے واقفیت حاصل کر کے اعضائے سخن کو خوب سے خوب تر جلا بخشی اور ان تمام پیش رفت پر حضرت نعمتؔ کی قابل قدر استادانہ تدریس نے سہاگے کا کام کیا اور برادرم مبارکؔ علی

آج کی ہر اردو محفل میں مبارک و مسعود ہیں۔

شعر و سخن کے ہر میدان میں کامیابی کے ساتھ طبع آزمائی کر کے ڈاکٹر صاحب نے سامعین کو اپنی روح پرور نعتوں، معنی خیز مناقب، خوش بیان نظموں، حرارت پیدا کرنے والی غزلیات اور کوزے میں سمندر بند کروانے والے قطعات سے کچھ یوں نوازا ہے کہ آج کے ہر مشاعرہ کا ہر سامع اس خوش الحان شاعر کا منتظر رہتا ہے۔

نعتیہ کلام کی پختگی پر مکمل دسترس رکھتے ہوئے مبارک کہتے ہیں کہ ؎

فجر و عشا کا وقت بھی یکجا بزم تصور میں دیکھا
میرے نبی کا عارض و کاکل شام و سویرا لگتا ہے

سچے و سادے الفاظ سے آراستہ فارسی تراکیب سے کوسوں دور، ثقیل الفاظ سے متنفر شاعر کے اشعار سامعین گنگنانے لگیں تو شاعر کامیاب ہے۔ راقم الحروف خود اس ردِ عمل کا مرتکب ہے کچھ اشعار دیکھیں اور آپ بھی مترنم ہو جائیں ؎

دِل کی زمیں پہ شاعر، فصل سخن کو بو کر
نظم و غزل کے پودے اشکوں سے سینچتا ہے

☆☆☆

فکر سخن نے جب کبھی پھیلائے اپنے پر
دنیا سمیٹ لائی سخنور کے آس پاس

☆☆☆

کرے نہ دل کے لہو سے کوئی وضو جب تک
نماز عشق ترا حق ادا نہیں ہوتا

اردو اور ہسٹری جیسے ضروری مضامین میں پوسٹ گریجویٹ کے علاوہ طبی اسناد

سے آراستہ، علوم وفنون کا مجسمہ، ایک زندہ دل اور ہر دل عزیز شخصیت کے مالک ڈاکٹر مبارکؔ نے رفیقوں کے دلوں پر جس طرح نقوش چھوڑے ہیں، اسی طرح زبان وادب کے اجسام کی شکل میں معروف اخبارات ورسائل وجرائد کے قلوب بن کر صفحات جریدہ کی دھڑکن بننا آپ کو خوب آتا ہے۔ چنانچہ آپ کی شعری بلندیوں کے سچے گواہ بیسویں صدی دہلی، لاریب لکھنؤ، زینت بارہ بنکی، گلابی کرن دہلی، محفل بہرائچ، تمثیل نو بہار، فنون اورنگ آباد، کوہسار بھاگلپور، راشٹریہ سہارا اردو، صحافت لکھنؤ، ہندی روزنامہ دینک جاگرن، اپنا سماچار پتر ہندی اور سہیٹ مہیٹ بہرائچ نے آج بھی موصوف کو سرآنکھوں پر بٹھا رکھا ہے۔ ادبی وثقافتی تنظیموں نے اپنی فعالیت کا حق ادا کرتے ہوئے اس شاعر بہرائچ کو اعزاز سے نوازا ہے۔ چنانچہ انجمن فروغ ادب، بہرائچ نے اک توصیفی سند اور شعلہ عبرتی اوارڈ سے ڈاکٹر مبارکؔ کو بجا نوازا ہے۔ مختلف تنظیموں نے آپ کو ''سارسوت سمان'' اور ''مکھیہ سمان'' جیسے اعزاز سے نوازا ہے۔ ادب کی دنیا میں اتنا سرگرم رہنے کے باوجود ڈاکٹر مبارکؔ اپنے شعر کے مصداق عمل پیرا بھی ہیں کہ ؎

اچانک روشنی کے سر قلم ہوتے ہیں دنیا میں
تم اک مخصوص دوری سے اندھیروں پر نظر رکھنا

سید خالد محمود

محمود حسن ہاؤس، قاضی پورہ، بہرائچ

نمونۂ کلام

۱

محبت ہے تو یہ معمول یارو عمر بھر رکھنا
تصور میں جمالِ یار کو شام و سحر رکھنا

اگر تم مسکراؤ بھی تو اپنی آنکھ تر رکھنا
لٹانے کے لیے دامن میں اشکوں کے گہر رکھنا

اچانک روشنی کے سر قلم ہوتے ہیں دنیا میں
تم اک مخصوص دوری سے اندھیروں پر نظر رکھنا

یہی بہتر ہے تم ماضی کو مستقبل بنا لینا
اُسی عہدِ گذشتہ کا تصوّر عمر بھر رکھنا

پہنچ کر بیچ دریا سے جو واپس لوٹ آیا ہو
تم ایسے شخص کی تشنہ لبی پر بھی نظر رکھنا

چلو چل کر کسی قاتل کا خنجر حلق پر رکھ لیں
بہت دشوار ہے اس دور میں جسموں پہ سر رکھنا

تمہاری ہی نظر کو آزمائیں گے نظر والے
مبارکؔ آج محفل میں نگاہِ معتبر رکھنا

۲

خوش بیاں یوں ہو کہ ہر لفظ سے خوشبو آئے
جب بھی ہونٹوں پہ ترے آئے تو اردو آئے

میرے دامن پہ کچھ اس طور سے آنسو آئے
جیسے جھاڑی سے نکل کر کوئی آہو آئے

میں نے مانا کہ تعلق مرا کچھ تجھ سے نہیں
آئینہ خانے میں جاؤں تو نظر تو آئے

عشق کا رنگ مرے دل پہ اگر چھا جائے
تب مرے شعروں میں ذکرِ لب و گیسو آئے

شبِ دیجور میں جب کھول دیں زلفیں تو نے
پھر نہ تارے مرے کام آئے، نہ جگنو آئے

کوششیں میں نے بہت کیں کہ سنور جاؤ تم
باندھ کر تم تو سدا پاؤں میں گھنگھرو آئے

ایسی بازی کوئی جیتا ہے مبارکؔ ابتک
ہم تو گھر بیٹھے ستاروں کی جبیں چھو آئے

THIS EBOOK IS DOWNLOADED FROM
SHAAHISHAYARI.COM

LARGEST COLLECTION OF URDU
SHERS, GHAZALS, NAZMS AND EBOOKS.

۳

دماغ و دِل پہ کوئی چھا گیا ہے　　لبوں پر جو تبسم آ گیا ہے
دوانہ لاکھ دیوانہ ہے لیکن　　اصولِ زندگی بتلا گیا ہے
محبت نام ہے مر مر کے جینا　　زمانے کو وہ یہ سمجھا گیا ہے
نقابِ رُخ الٹ دی جب سے اس نے　　اندھیروں کو اُجالا کھا گیا ہے
خوشی سے مجھ کو نفرت ہو گئی ہے　　ترا غم مجھ کو ایسا بھا گیا ہے
نہیں رکتی ہیں میری ہچکیاں کیوں　　مرا دِل دِل سے کیا ٹکرا گیا ہے
قدم چومے گی اُس کے خود ہی منزل
دُعا ماں کی مبارکؔ پا گیا ہے

۴

مانوس کبھی ایسوں سے جنّت نہیں ہوتی　　جن لوگوں سے ماں باپ کی خدمت نہیں ہوتی
نازل کبھی اس گھر میں بھی رحمت نہیں ہوتی　　جس گھر میں کہ مہماں کی عزّت نہیں ہوتی
دولت تو چلی جاتی ہے رہ جاتا ہے ایماں　　ایمان سے بڑھکر کوئی دولت نہیں ہوتی
جس کھانے میں سائل کا بھی حصہ نہیں ہوتا　　اُس کھانے میں ہرگز میاں! برکت نہیں ہوتی
غیروں کی جو عزّت نہیں کرتا ہے جہاں میں　　اس کی بھی کہیں دہر میں عزّت نہیں ہوتی
ہر شخص نہیں ہوتا مقدّر کا سکندر　　ہر اک کی کبھی اَوج پہ قسمت نہیں ہوتی
جس گھر میں سدا ہوتی ہے قرآں کی تلاوت
اُس گھر میں مبارکؔ کبھی غربت نہیں ہوتی

زبان زدو معروف اشعار

اچانک روشنی کے سر قلم ہوتے ہیں دنیا میں تم اک مخصوص دوری سے اندھیروں پر نظر رکھنا

☆☆☆

دل کی زمیں پہ شاعر فصلِ سخن کو بو کر نظم و غزل کے بودے اشکوں سے سینچتا ہے

☆☆☆

کرے نہ دِل کے لہو سے کوئی وضو جب تک نمازِ عشق ترا حق ادا نہیں ہوتا

☆☆☆

فکرِ سخن نے جب کبھی پھیلائے اپنے پر دنیا سمیٹ لائی سخنور کے آس پاس

☆☆☆

تم کو جنت سے بھی بڑھ کر کے مزا آئیگا اپنے ماں باپ کے پاؤں سے لپٹ کر دیکھو

☆☆☆

یہ اخباروں کے بستر اور یہ غربت زدہ چہرے جو فٹ پاتھوں پہ گزرے زندگی دیکھی نہیں جاتی

☆☆☆

چلو چل کر کسی قاتل کا خنجر حلق پر رکھ لیں بہت دشوار ہے اس دور میں جسموں پہ سر رکھنا

☆☆☆

ooOoo

ڈاکٹر قمر رئیس (رئیسؔ)

۱۹۵۶ء

جائے پیدائش: محلہ بڑی ہاٹ، ضلع بہرائچ، یو. پی.

والد: جناب رئیس احمد صاحب والدہ: محترمہ سیدہ بیگم صاحبہ

تاریخ ولادت: ۱؍فروری ۱۹۵۶ء مطابق ۱۷؍جمادی الآخر ۱۳۷۵ھ

تلمیذ: ۱۔ جناب اظہارؔ وارثی، محلہ برہمنی پورہ، ضلع بہرائچ ۲۔ ڈاکٹر عبرتؔ بہرائچی، محلہ ناظر پورہ، بہرائچ۔

تعلیم: ایم.اے. مشغلہ: ہومیو پیتھ میڈکل پریکٹس

شعری تخلیقات: ''گہر''، ''چراغِ فکر''، ''شہپر''، ''رس''، ''کاروانِ گل''، و ''آبشارِ رحمت''

انعام واعزاز:

مکمل پتہ: محلّہ بڑی ہاٹ، ضلع بہرائچ

موبائل: 8874656384

تعارف

ڈاکٹر قمر رئیس کی شخصیت میں نام اور تخلص کا فرق کالعدم ہو جاتا ہے، چنانچہ قمر رئیس ان کا نام بھی ہے اور تخلص بھی۔ ڈاکٹر قمر رئیس کی پیدائش محلہ شیخیا پورہ، بہرائچ میں یکم فروری ۱۹۵۶ء کو ہوئی۔ انکے دادا رئیس احمد صاحب پنڈت ترلوکی ناتھ کول، جو شہر کے ایک معزز و مستند سینیر وکیل تھے، کے یہاں سینیر محرر تھے۔

قمر رئیس کے عالمِ وجود میں آنے سے ۹ دن قبل ہی ان کے والد محترم کا انتقال ہو گیا، جس کا خمیازہ قمر رئیس کی والدہ کو اٹھانا پڑا۔ انکے ساتھ سسرال والوں کا رویہ ٹھیک نہ ہونے و انھیں اپنے لئے بار سمجھنے کے باعث انکی والدہ سسرال کو خیر باد کہتے ہوئے اپنے معصوم و یتیم بچے کے ساتھ اپنے میکے چلی آئیں، اور اس طرح قمر رئیس کی کفالت انکے نانا و ماموں کے ہاتھوں ننیہال میں ہوئی۔ ان دونوں بیوہ و یتیم ماں بیٹے کی نگہداشت و دیکھ بھال میں ننیہال والوں نے کوئی دقیقہ فرد گذاشت نہیں کیا اور بیوہ والدہ کی دیکھ بھال اور یتیم بچہ کی تعلیم پر پوری توجہ دیتے ہوئے اس بچہ کو آرٹ میں ماسٹر ڈگری (ایم اے) تک کی تعلیم دلائی۔ اس کے بعد قمر رئیس نے ہومیو پیتھی سے ڈاکٹری کی سند بھی حاصل کی۔ اور اس طرح ننیہال کا سہارا پاکر قمر رئیس پہلے ماسٹر اور اس کے بعد ڈاکٹر بنکر فکرِ معاش سے بے نیاز اور اپنے پیروں پر کھڑے ہوکر خود کفیل ہو گئے۔

قمر رئیس کو شاعری کا شوق اوائل عمری ہی سے تھا، چنانچہ گورنمنٹ انٹر کالج، بہرائچ میں جب وہ درجہ آٹھ کے طالب علم تھے، اس وقت انھوں نے ایک غزل کہی اور اسے اپنے ایک کرم فرما استاذ محترم کو دکھایا، جنھوں نے غزل میں حسبِ ضرورت اصلاح اور قمر رئیس کی کما حقہ ہمت افزائی بھی فرمائی۔ استاد کی طرف سے ہمت افزائی اور حوصلہ پاکر قمر رئیس نے اپنے شعری سفر کو مزید مہمیز کیا اور پھر یہ سلسلہ آج تک قائم ہے۔

۲۴	شمیم اقبال خاں	۱۴۶
۲۵	شانِ عالم مسعودی	۱۵۵
۲۶	شارقؔ ربانی	۱۶۰
۲۷	سید ریاست حسین رضوی (شوقؔ بہرائچی)	۱۶۶
۲۸	ماسٹر عبدالغفار خاں (شہرتؔ بہرائچی)	۱۸۰
۲۹	طارقؔ ربانی	۱۸۹
۳۰	عبدالوارث مشہود علی (واقفؔ القادری)	۱۹۴
۳۱	عبدالرحمٰن خاں (وصفیؔ بہرائچی)	۲۰۰

ooOoo

قمر رئیس ایک زمانہ تک شاگردی واستادی کے رشتہ سے جڑے بغیر اپنے شوقِ شاعری کی تکمیل کرتے رہے، یہاں تک کہ ڈاکٹری کی تکمیل کر کے آپ نے ناظر پورہ میں اپنا دواخانہ قائم کیا اس کے کچھ دنوں بعد ہی ڈاکٹر عبرتؔ بہرائچی صاحب کے یہاں ایک طرحی نشست کا انعقاد ہوا، جس میں قمرؔ رئیس نے بھی اپنی غیر اصلاحی طرحی غزل پیش کی۔ اس نشست میں شہر کے معروف ومشہور استاذ حضرت وصفیؔ بہرائچی صاحب کے علاوہ منظر بہرائچی، سازؔ کانپوری، اطہرؔ رحمانی وغیرہ حضرات سے بھی ملاقات کا شرف حاصل ہوا۔ اس کے بعد ایک دِن منظرؔ بہرائچی صاحب قمرؔ رئیس کے پاس تشریف لائے اور ان کی مختلف غزلیں سننے کے بعد انھیں یہ مخلصانہ مشورہ دیا کہ اپنا کلام پہلے حضرت اظہارؔ وارثی یا ڈاکٹر عبرتؔ بہرائچی کو بغرض اصلاح دکھالیا کریں۔ منظرؔ بہرائچی کی معیت میں قمرؔ رئیس کو اوزان وبحور پر درک حاصل کرنے کا بھی موقع فراہم ہوا اور پھر انھیں کے مشورہ پر انھوں نے حضرت اظہارؔ وارثی اور ڈاکٹر عبرتؔ بہرائچی کو اپنا استاذ تسلیم کر لیا، ان کی رہنمائی میں ان کا شعری سفر رواں و دواں ہے۔ ۱۹۷۵ء سے ان کا کلام ہندوستان کے مختلف اخبارات و رسائل میں چھپنا شروع ہوا اور پھر بیرونِ ملک شائع ہونے والے رسالوں کی برابر زینت بنتا رہا ہے۔ ان کے اب تک پانچ اردو شعری مجموعے ''گہر''، ''چراغ فکر''، ''شہپر''، کاروانِ گل'' و'' آبشارِ رحمت'' اور ''رس'' کے نام سے ایک مجموعہ ہندی میں شائع ہو کر قارئین سے داد و تحسین حاصل کر چکا ہے۔

کاوشؔ شوکتی

نمونہ کلام

۱

میرا ہر ایک غم جو اٹھانے کی ضد میں ہے
دنیا اُسی کو دار پہ لانے کی ضد میں ہے

پردے سے جو نگاہوں میں آیا نہیں کبھی
سورج کو انگلیوں پہ نچانے کی ضد میں ہے

حیرت نہیں ہے اپنے جنوں پر اسے کوئی
دریا تمام شہر کو پانے کی ضد میں ہے

وہ چاہتا نہیں ہے، کوئی اُسکی ہو مثال
سورج ہر اک چراغ بجھانے کی ضد میں ہے

صحرا نورد ہونے کو بیتاب ہے بدن
کوئی مری حیات میں آنے کی ضد میں ہے

تہذیب میرے بچوں سے حاصل ہوئی جسے
آئینہ وہ ہی مجھ کو دکھانے کی ضد میں ہے

پہچان اپنی کوئی بنالے قمرؔ رئیس
آئینہ تیرے سامنے آنے کی ضد میں ہے

۲

کیسی چلی ہوا کہ گھٹا غم کی چھا گئی
روشن تھا اک چراغِ محبت، بجھا گئی

کیا جانے اُس کے در پہ کیوں اتنا سکون تھا
وحشت کے باوجود مجھے نیند آ گئی

مدّت سے اپنے آپ سے بکھرا ہوا تھا میں
دنیا میرے وجود میں کیسے سما گئی

اپنوں کے درمیاں بھی گھٹن سی لگی مجھے
رشتوں کی جستجو یہ کہاں لیکے آ گئی

جب تک کہ سر ہمارا رہا، روشنی رہی
نیزے پہ اس کے بعد اُداسی سی چھا گئی

حیرت سے دیکھتی رہی مجھ کو زمیں قمرؔ
مٹی کو میری عرش پہ لیکر ہوا گئی

۳

دریا! ترے خلوص کے چرچے بہت سے ہیں
بستی میں لوگ پھر بھی پیاسے بہت سے ہیں

تیرا خلوص لاتا ہے در تک ترے مجھے
ورنہ تمام شہر میں اپنے بہت سے ہیں

خواہش نہیں ہے مجھ کو کسی آئینے کی اب
پرچھائیوں کے شہر میں چہرے بہت سے ہیں

کچھ خوف تیرگی کا پرندوں کو اب نہیں
سورج! ترے وجود کے ٹکڑے بہت سے ہیں

فٹ پاتھ راس آ گیا یہ دیکھ کر مجھے
دنیا میں میری طرح اکیلے بہت سے ہیں

راہِ عمل میں دور تلک کچھ نہیں مگر
ملّت کے رہنماؤں کے دعوے بہت سے ہیں

اب کیا ملے نصیب سے مجھکو قمرؔ رئیس
آنکھوں نے میری خواب تو دیکھے بہت سے ہیں

۴

ہر در پہ اپنے سر کو جھکائے ہوئے ہیں لوگ
اپنا وقار خود ہی گرائے ہوئے ہیں لوگ

آئینہ بن کے شہر میں آئے ہوئے ہیں لوگ
خنجر بھی آستیں میں چھپائے ہوئے ہیں لوگ

پوچھو نہ اپنے شہر کی تہذیب کا چلن
عزت کسی طرح سے بچائے ہوئے ہیں لوگ

اک جشن انقلاب منانے کے واسطے
مقتل ہر ایک گھر کو بنائے ہوئے ہیں لوگ

دل میں کدورتیں ہیں مگر دیکھئے جناب!
اک دوسرے سے ہاتھ ملائے ہوئے ہیں لوگ

آتا نہیں زباں پہ کبھی اُن کے، اُس کا نام
کیا جانے دِل میں کس کو بسائے ہوئے ہیں لوگ

صحرا نورد کوئی نہیں ہے قمرؔ رئیس
ویران شہرِ گُل کو بنائے ہوئے ہیں لوگ

زبان زدو معروف اشعار:

سمیٹے پھرتے ہو دامن میں تیرگی کا غم　　　اُجالا بزمِ سیاست میں اب نہیں ہے کیا؟

☆☆☆

اُن کے ہی ہاتھوں میں سونپا گیا گلشن کا نظام　　　جن کی آنکھوں سے گُل تر نہیں دیکھے جاتے

☆☆☆

تمام لوگ اُجالے سے مطمئن کیوں ہیں؟　　　کوئی چراغ اب اس کے سوا نہیں ہے کیا؟

☆☆☆

تجھ کو پہچاننے سے آج بھی قاصر ہے قمؔر　　　زندگی! اب تو بتا تیرے ہیں چہرے کتنے؟

☆☆☆

فوقؔ بہرائچی (فوقؔ)

۱۹۷۵ء

جائے پیدائش: محلہ چاند پورہ، ضلع بہرائچ، یو. پی.

والد: جناب حسن عباس صاحب　　**والدہ:** محترمہ کامنی بیگم صاحبہ

تاریخ ولادت: ۲۰/جون ۱۹۷۵ء مطابق: ۹/جمادی الثانی ۱۳۹۵ھ

تلمیذ: -

تعلیم: ایم.اے. (اکنامکس)　**مشغلہ:** کاروبار

شعری تخلیقات: -

انعام واعزاز: ادبی اعزازی سند بموقعہ ماہ ربیع الاول منجانب سیرت کمیٹی شیدائے رسول اوارڈ۔

مکمل پتہ: نزد موہن جراح، چاند پورہ، بہرائچ

موبائل: 9838760315

تعارف

تاریخ شاہد ہے کہ زمانۂ قدیم سے لے کر زمانۂ جدید تک شہر بہرائچ کی آغوش میں سیکڑوں شعراء اور ادباء نے جنم لیا۔ جوشِ شباب سے لیکر تادم آخر اردو ادب کی زلفیں سنوارنے میں لگے رہے۔ مرحوم شوقؔ بہرائچی سے لیکر مرحوم نعمتؔ بہرائچی تک جتنے شعراء اور ادباء نے اس دارفانی کو لبیک کہا، میرا دعوی ہے کہ وہ حضرات خود تو اس دنیا میں نہ رہے مگر ان کے ادبی اور شعری کارناموں کی بنیاد پر شعروادب اب بھی زندہ ہے اور شعروادب کی شمعیں اب بھی اردو کے شیدائیوں نے روشن کر رکھی ہیں۔ آج کے نوجوان شعراء کے دل میں اردو کے تئیں جو لگاؤ اور محبت پیوست ہے وہ بزرگ شعراء کی رہنمائی نہ سہی گاہے بگاہے ان کی دعاؤں کا ثمرہ ضرور ہے۔

آج سے تقریباً ۲۰ رسال قبل مرحوم حسن عباس ساکن محلہ چاند پورہ، بہرائچ شریف کے گھر جناب ابن حسن صاحب المتخلص فوقؔ بہرائچی نے اپنی مادر مشفق کرم بارگود میں آنکھیں کھولیں۔ جس خاندان میں شاعری ورثے میں چلی آرہی ہو اس خاندان کے ہر فرد کو کچھ نہ کچھ اس کا حصہ تو ملنا ہی تھا۔ جو فوقؔ بہرائچی کو بھی ملا اور تقریباً دس سال کی عمر سے ابن حسن نے صنف حسن یعنی نعت ومنقبت پر طبع آزمائی کرنی شروع کر دی اور صف شعرا میں اپنا نام درج کروالیا۔ فوقؔ بہرائچی کی تاریخ پیدائش ۲۰ رجون ۱۹۷۵ء اس سے اندازہ ہو رہا ہے کہ آپ کے شعری سفر کو بیس سال مکمل ہو رہے ہیں۔ فوقؔ بہرائچی نے اس بیس سال میں ہر صنف خصوصاً نعت، منقبت، غزل، قصیدہ، سلام، نوحہ، مسدس، مخمس، مربع، نظم، گیت جیسی صنفوں پر طبع آزمائی فرما کر اپنے ادبی اثاثے کا محل تیار کر کے معمار ادب بننے میں کوئی کسر نہ چھوڑی۔ آپ جب نعت شریف کہنے کے لیے قلم اٹھاتے ہیں تو کہتے ہیں کہ۔

رگوں میں عشق احمد دوڑتا ہے خون کی صورت	پتہ چلتا ہے اس سے شیر مادر کی طہارت کا

رضواں! بس ایک شرط پہ منظور ہے ارم	نعت نبی سنوں گا میں جنت کی حور سے

یقیناً یہ نبیٔ پاکؐ سے والہانہ محبت اور عقیدت کی دلیل ہے۔

فوقؔ بہرائچی جب غزل کہنے کے لیے قلم اٹھاتے ہیں تو یوں رقم طراز ہوتے ہیں کہ ۔

ہمارے نامۂ اعمال میں فرشتے بھی
ادب شناس ہیں فن کا ثواب لکھیں گے

فوقؔ بہرائچی کے اس شعر کو ان کے تمام اشعار کا امام لکھا جائے تو بے جا نہ ہوگا کیونکہ اس شعر میں جو رنگ ہے وہ کہیں نہیں۔آپ جب خالص غزل کی طرف خود کو رجوع کرتے ہیں تو یوں کہتے ہیں ۔

سَتا رہے ہیں یہ لمحے اکیلے پَن والے
چلے بھی آؤ کہ دن ہیں یہی ملن والے

تمام اصناف سخن پر طبع آزمائی کے باوجود فوقؔ بہرائچی کی انکساری کا یہ عالم ہے کہ ایک جگہ خود فرماتے ہیں۔

مدتوں میں نے کتابوں سے محبت کی ہے
تب کہیں جاکے ذرا زیر و زَبر جانا ہے

مجھے امید ہے کہ جناب فوقؔ بہرائچی اگر اسی طرح ادب کی راہ پر گامزن رہے تو انشاء اللہ ایک عرصہ تک اپنی یادوں کے نقوش چھوڑ جائیں گے۔

شان عالم مسعودی
بانی وصدر انجمن ضیائے غازی، بہرائچ شریف

نمونہ کلام

نعت پاک

۱

مس ہو گیا جو ذرہ بھی پائے حضور سے		افضل چمک میں دکھنے لگا کوہ نور سے
جنت کا شوق ہے تو نبی کے قریب آ		جنت بغیر ان کے ملے گی نہ دور سے
دنیا نبی کے نور پہ حیرت نہ اب کرے		اعلان ہو رہا ہے یہی کوہِ طور سے
ہم کو پتہ ہے چاند ستاروں کی حیثیت		یہ سب چمک رہے ہیں محمدؐ کے نور سے
رضواں! بس ایک شرط پہ منظور ہے ارم		نعتِ نبی سنوں گا میں جنت کی حور سے

ہر لمحہ مست رہتی ہے اے فوقؔ زندگی
عشقِ شرابِ جامِ نبی کے سرور سے

۲

دشت فرقت میں تڑپ کر یوں ہی مر جانا ہے		ہم کو اک دن اسی صحرا میں بکھر جانا ہے
راستے روک نہ پائیں گے محبت کے قدم		اس سے ملنا ہے تو کانٹوں سے گزر جانا ہے
مدتوں میں نے کتابوں سے محبت کی ہے		تب کہیں جا کے ذرا زیر و زبر جانا ہے
جانے یہ کون سی منزل پہ قدم ٹھہرے ہیں		مجھ کو اب ہوش نہیں ہے کہ کدھر جانا ہے
وہ مرا ساتھ نبھانے کی قسم کھاتے ہیں		جن کو اک دن کسی منزل پہ ٹھہر جانا ہے
خاک اس پائے مقدس کی اُٹھالی میں نے		تب کہیں جا کے چمکنے کا ہنر جانا ہے

فوقؔ احوال غم دل جو غزل میں ہے رقم
میں نے اس فن کو بہ انداز جگر جانا ہے

۳

میری فریاد سے دل اس کا مچل جائے گا
صورت برف وہ پتھر بھی پگھل جائے گا

ظلمت شب کا ہو احساس مجھے ناممکن
اس کی یادوں کا دیا شام سے جل جائے گا

میں نے یہ سوچ کے نفرت کو محبت سمجھا
لفظ بدلے گا تو مفہوم بدل جائے گا

دیکھ کر جانِ غزل رنگ تبسم تیرا
لڑکھڑائے گا کوئی، کوئی سنبھل جائے گا

جس کے ارمانوں کا ٹوٹا ہو حسیں تاج محل
اس کا دِل کیسے زمانے میں بہل جائے گا

تو فقط ایک نظر ڈال دے مجھ پر ہنس کر
دِل ترے عشق کے آئینے میں ڈھل جائے گا

فوقؔ میری تو یہی فکر کا ضامن ہوگا
لفظ اشعار کے سانچے میں جو ڈھل جائے گا

منقبت غازیؒ

۴

منظر فلک مآب ہے غازی کے شہر میں
ہر ذرہ آفتاب ہے غازی کے شہر میں

جس میں نہیں ہے مذہب وملت کی کوئی قید
برپا وہ انقلاب ہے غازی کے شہر میں

دیکھو دیار سید سالار کی طرف
فردوس کا جواب ہے غازی کے شہر میں

یارو! بہ فیضِ رحمت سرکارِؐ دو جہاں
چھایا ہوا شباب ہے غازی کے شہر میں

یہ بات فوقؔ سچ ہے، نہیں اس سے کچھ گریز
ہر شخص فیضیاب ہے غازی کے شہر میں

ooOoo

غوث محمد حسّانی (حافظ غوثؔ)

۱۹۲۹ء ۲۰۱۳ء

جائے پیدائش: محلّہ پرانی بازار، نانپارہ، ضلع بہرائچ، یو. پی.

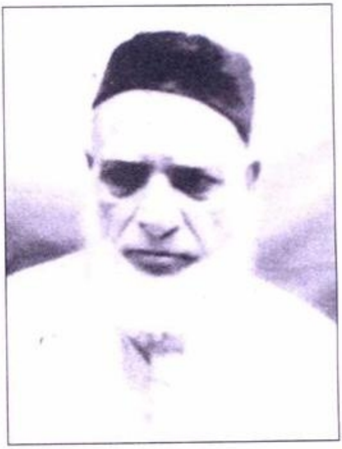

والد: جناب رسول بخش صاحب والدہ: ـ

تاریخ ولادت: ۳ر فروری ۱۹۲۹ء مطابق: ۲۲ر شعبان ۱۳۴۷ھ

تلمیذ: شمسؔ لکھنوی

تعلیم: ادیب ماہر، کامل مشغلہ: درس وتدریس، خدمت شعروادب

شعری تخلیقات: نسیم صبح

مکمل پتہ: امام جامع مسجد نانپارہ محلّہ پرانی بازار، بہرائچ

موبائل: 9838760315،7505643856

پیش لفظ

آزادیٔ وطن کے پینسٹھ برس بعد بھی جن علاقوں کی معاشی اور تعلیمی پسماندگی دور نہیں ہوسکی ان میں ہندو نیپال سرحد پر بسا ہوا ضلع بہرائچ بھی ہے۔ وسائل کی کمی اور سیاسی رہنماؤں کی عدم دلچسپی نے اس ضلع کو ترقیات سے کوسوں دور رکھ کر بین الاقوامی سرحد سے متصل اس علاقے کے ساتھ جو سلوک کیا وہ انتہائی افسوس ناک ہے۔ خیر!

اپنی انتہائی پسماندگی کے باوجود یہ علاقہ مہاتما بدھ کی ریاضت گاہ شراوستی اور مدفنِ حضرت سید سالار مسعود غازیؒ کے سبب عالمی طور پر گمنامی کا شکار نہیں ہوسکا۔ جہاں ایک طرف بدھ مت کے پیروکار اور عقیدت مند چین، کوریا، جاپان اور سری لنکا جیسے ممالک سے شراوستی آکر گلہائے عقیدت پیش کرنا اپنے لیے باعث سعادت سمجھتے ہیں وہیں پہ لاکھوں عقیدت مند بھی آستانۂ مسعود غازیؒ پر اپنی حاضری کو اپنے لیے فخر کا ذریعہ سمجھتے ہیں۔

اودھ کے قدیم دارالسلطنت فیض آباد اور صوبہ کی راجدھانی لکھنؤ سے 125 کلومیٹر کے برابر فاصلے پر واقع یہ شہر ملی جلی تہذیب کا علاقہ ہے۔ یہاں لکھنؤ جیسے تکلفات، نزاکت اور زبان کی شائستگی نہ سہی لیکن اخلاص بھائی چارگی، ملنساری اور انکساری بدرجۂ اتم موجود ہے۔ بہرائچ ضلع کے قصبات جرول اور نانپارہ اپنی ایک جامع اور اعلیٰ تہذیبی شناخت رکھتے ہیں جہاں سے مذہبی، مسلکی، سماجی اور ادبی شخصیات کی ایک بڑی تعداد ہے جنکی علمی اور ادبی بصیرت نے اس خطے کو زعفران زار کیا ہے۔

ماضی سے لیکر عہد حاضر تک بے شمار قلمکار، ادیب اور شاعر اس علاقے کے ادبی وقار ہوئے ہیں۔ ترقی پسند تحریک کے علمبردار اور فلمی نغمہ نگار کیفی آعظمی کے بچپن کا کچھ عرصہ اس شہر سے وابستہ ہے۔ مشہور زمانہ ناول نگار عصمت چغتائی نے اپنی عمر کا خاصہ حصہ یہاں گزارا ہے۔ منفرد مصنفہ اور گیان پیٹھ ایوارڈ یافتہ قرۃالعین حیدر اس دیار میں عقیدت میں کئی بار حاضری دینے کے لیے آئیں اور آستانۂ مسعود غازیؒ کے مہمان خانہ میں قیام کیا۔ مجتہد عصر اور شیعہ فرقے کے جید عالم طاہر جرولی اسی ضلع کی شناخت ہیں۔

میرا مقصد بہرائچ ضلع کا تاریخی پس منظر بیان کرنا نہیں ہے۔ میرے سامنے ''دبستانِ بہرائچ'' کا مسودہ ہے جو جناب شمیم اقبال خاں صاحب کی تالیف ہے اور اسے زیور طبع سے آراستہ ہوکر منظرِ عام پر آنا ہے۔ شمیم صاحب نے مجھ جیسے کوتاہ علم اور بے مایہ سے اپنی اس خواہش کا اظہار فرمایا کہ میں اس کتاب کا پیش لفظ تحریر کروں جس میں بہرائچ ضلع کے انتیس شعرا کا مختصر تعارفی خاکہ، تصاویر اور نمونۂ کلام ہے۔ شمیم اقبال

تعارف

راجگان ریاست نانپارہ حضرت غوث الاعظمؒ سے والہانہ عقیدت رکھنے کے سبب گیارہویں شریف کی تقریب بڑی شان وشوکت سے مناتے تھے جس کی زندہ یادگار فلک بوس عمارت درگاہ غوثیہ نانپارہ ہے جو اپنی عظمت رفتہ کا قصیدہ اپنی خاموش زبان سے اب بھی سنا رہی ہے۔

۱۱ ربیع الثانی جو غوث پاک کی ولادت کا دن ہے اسی تاریخ میں غوث محمد صاحب کی ولادت ہوئی اور اسی سبب آپ کے والدین نے آپ کا نام غوث محمد رکھا۔ آپ کے والد گرامی رسول بخش صاحب دینی شغف میں انہماک رکھتے ہوئے جذبہ دینی کے سبب مروجہ تعلیم کے ساتھ حفظ قرآن کریم کو اولیت کا مقام دیا۔

آپ نے اردو ادب، فارسی اور عربی میں خاطر خواہ استفادہ حاصل کیا۔ جناب علامہ بلائیؒ صاحب علی آبادی نے جس دوران نانپارہ میں عارضی سکونت حاصل کی تو آپ ان سے خوب مستفید ہوئے۔ اُسی کا نتیجہ تھا کہ آپ نے ادیب ماہر اور ادیب کامل (جامعہ اردو علی گڑھ) کے امتحانات میں نمایاں کامیابی حاصل کی۔

قصبہ نانپارہ شعر وادب کا گہوارہ ہمیشہ سے رہا ہے۔ یہاں کے راجہ سعادت علی خاں کی ادب پرستی نے ہندوستان کے مایہ ناز استاذ حضرت علامہ شمسؔ صاحب کو اپنے ہم عصروں میں ممتاز بنا دیا تھا۔ شمسؔ صاحب کا رنگ غوث صاحب پر اتنا غالب ہوا کہ غوث صاحب کے کلام میں حضرت شمسؔ لکھنوی کا رنگ جھلکتا ہے۔ پڑھنے کا انداز بھی وہی تھا جو شمسؔ صاحب کا تھا۔

ضلع کے قادر الکلام شاعروں کی صف میں غوث صاحب اپنا اول مقام بنا چکے ہیں۔ ان کے نطق میں شوخی، طرز بیان میں اثر اور زبان میں دل کشی پائی جاتی ہے۔

ہے میری نطق میں شوخی، اثر طرزِ بیاں میں ہے
میں اردو بولتا ہوں، دل کشی میری زباں میں ہے

استاد مرحوم کے انتقال پُر ملال کے بعد اپنے بزرگ کرم فرما ایمنؔ چغتائی صاحب سے مشورہ لیا کرتے تھے۔

رنگ تغزل سے طبع آزمائی اور نعت گوئی میں اپنے احساسات کو اُجاگر کرنا غوث صاحب کی شاعری کا خاص میدان رہا ہے۔ چنانچہ مجموعہ 'نسیمِ صبح' زیادہ غزلوں اور چند نعتوں پر مشتمل ہے۔

شاہ نواز خاں ایمنؔ
کوارٹر ۳۹۶ .کے .گرجا کالونی، گونڈہ، یو. پی.

نمونہ کلام

۱

جو بڑھ گئے ہیں ترے گیسوؤں کے دیوانے
نئے سرے سے بسائے گئے ہیں ویرانے

گھڑی گھڑی نہ کہو فصلِ گل کے افسانے
ہنسی ہنسی میں کہیں رو اٹھیں نہ دیوانے

بتا رہے ہیں یہ شام و سحر کے افسانے
کسی کو چین سے رہنے دیا نہ دنیا نے

مجاز اصل میں دروازۂ حقیقت ہے
حرم میں جاؤ تو ملتے ہیں پہلے بت خانے

یہ میکدہ میں ہے کس بادہ نوش کی آمد
کہ اپنے آپ کھنکنے لگے ہیں پیمانے

رہا ہوئے تو رہائی کا کچھ مزہ نہ ملا
ہیں فصلِ گل میں بھی چُپ چُپ تمہارے دیوانے

ہے روزِ حشر تو آئے ہیں منہ چھپائے ہوئے
غرض یہ ہے کہ یہاں بھی نہ کوئی پہچانے

فضا پہ چھائی ہے میرے تباہ دِل کی خاک
ہوا کے دوش پہ قائم ہوئے ہیں ویرانے

ہمیں تو دامنِ برق و شرر میں رہنا ہے
چمن کو غوثؔ چمن جانے، باغباں جانے

۲

پردے سے وہ جلوے باہر ہیں اور دِل کو ذرا سی تاب نہیں
اے ذوقِ نظارہ ہوش میں آ، ہے بزمِ تخیل، خواب نہیں
کیا ہوگا مآلِ جذبِ نہاں، انجام نظارہ کیا ہوگا
جب سُن کے ابھی سے نام ترا، بیتاب نظر میں تاب نہیں
جو صحن چمن کی زینت کا باعث تھی، نشیمن تھا جس پر
اُس شاخ کا اب یہ عالم ہے، سرسبز نہیں شاداب نہیں
اے شمع وفا کے پروانو، اے ہوش و خرد کے دیوانو
اب دار و رسن کی بات کرو، اب موت کوئی کمیاب نہیں
جس کو تو سمجھتا ہے طوفاں، یہ وہم و گماں کی لہریں ہیں
دِل بیٹھنے سے دھوکے میں نہ آ، سیلاب نہیں، گرداب نہیں
معصوم صفت، ناواقف غم، بیگانۂ رمز فکر و الم
دنیا سے جدا ہے دِل میرا، بیچین نہیں، بیتاب نہیں
اے ظلم و جفا کے دیوانو! چاہو تو وفا کر سکتے ہو
یہ جنس وفا ہے جنس وفا، کم یاب تو ہے، نایاب نہیں
ان بجھتی ہوئی شمعوں پہ نہ جا، ان ڈوبتے تاروں پر نہ مچل
اے جاگنے والے شب ہے ابھی، یہ صبح کے تو اسباب نہیں
سانسوں کا اکھڑنا ہی میرا ممکن ہے سہارا بن جائے
اے غوثؔ جہازِ زیست ابھی، منجدھار میں ہے، غرقاب نہیں

۳

دل سے اگر ہمارے جدا تیرا غم نہیں — تو شامِ غم بھی صبحِ مسرت سے کم نہیں

یاس و الم نہیں کہ مجھے رنج و غم نہیں — یہ بات اور ہے کہ مری آنکھ نم نہیں

تھک کر قدم جو روک لیں اپنے وہ ہم نہیں — دے ساتھ اتنا گردشِ دوراں میں دم نہیں

غیروں کے ساتھ ساتھ ہے اپنوں پہ بھی جفا — جیسے ابھی تک اُن کو شعورِ ستم نہیں

اک دِل کی انجمن کہ جہاں بے شمار غم — اک بزم میکدہ کہ جہاں کوئی غم نہیں

آساں نہیں کہ اس کو زمانہ سنوار دے — قسمت یہ میری ہے، تیری زلفوں کے خم نہیں

دنیا کی شادمانیوں کی احتیاج کیا — جو درد تم نے بخش دیا ہے وہ کم نہیں

طاری ہے انجماد کچھ ایسا وجود پر — جیسے رگوں میں خون نہیں، دِل میں دم نہیں

رکھنا ہے آبروئے گلستاں کسی طرح

اے غوثؔ ہم کو اپنے نشیمن کا غم نہیں

ooOoo

نوٹ: بڑے افسوس کے ساتھ یہ الفاظ لکھ رہا ہوں کہ حافظ غوث محمد حسانی اب ہمارے بیچ نہیں ہیں ان کا انتقال ۲۰ رستمبر ۲۰۱۲ء کو ہو گیا۔ اللہ انہیں غریقِ رحمت کرے۔ آمین

عبدالرؤف خاں (حکیم جوہرؔ)

۱۹۰۷ء - ۱۹۹۰ء

جائے پیدائش: محلّہ بیلدارن ٹولہ، نانپارہ، ضلع بہرائچ، یو. پی.

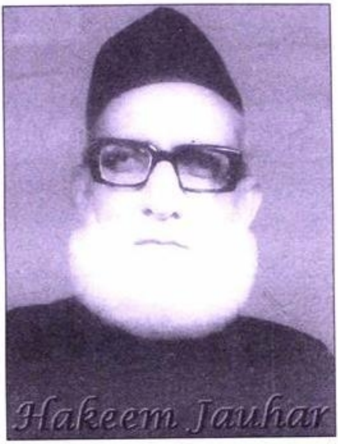

والد: جناب محمد نور خاں صاحب   والدہ: محترمہ امیر جہاں بیگم

تاریخ ولادت: ۱۰/ اکتوبر ۱۹۰۷ء مطابق: ۱/ رمضان ۱۳۲۵ھ

تاریخ وفات: ۳/ اکتوبر ۱۹۹۰ء مطابق: ۱۳/ ربیع الاول ۱۴۱۱ھ

تلمیذ: حضرت شمسؔ لکھنوی   تعلیم: فن طب مین سند

شعری تخلیقات: ۷/ غیر مطبوعہ شعری مجموعے

بھیجنے والے: ماشاءاللہ خاں   شاعر سے رشتہ: منجھلے بیٹے

پتہ: ۱۱/۵۶۔ باغ آئینہ بی بی، نزد شیر والی کوٹھی، حسین گنج لکھنؤ

موبائل: 8858463503

تعارف

جناب عبدالرؤف خاں حکیم جوہر نے ابتدائی تعلیم دینی مدارس میں پائی۔ دسویں درجہ کے بعد منبع الطب کالج لکھنؤ میں داخلہ لیا اور فن طب کی سند حاصل کی اور خدمت خلق کے جذبے کے ساتھ بہرائچ میں حکمت شروع کی کچھ عرصہ کے بعد دہلی سے ہمدرد دواخانہ کی ایجنسی بھی حاصل کر لی تھی۔ حکیم جوہر صاحب کے ہم عصروں میں مشہور طبیب حکیم صفدر علی صاحب، حکیم عبدالقدیر صاحب اور حکیم عبدالباری صاحب قابل ذکر ہیں۔

۱۹۶۶ء میں موصوف بہرائچ کی ہمدرد ایجنسی سے دست بردار ہوکر ہمدرد ایجنسی، گونڈہ سے منسلک ہوگئے اور اپنے انتقال سے چند ماہ قبل تک گونڈہ سے ہی وابستہ رہے۔ گھر پر ہی مطب قائم کر لیا تھا اور خدمت خلق پر مامور تھے۔ اہل گونڈہ نے بھی ان کی خدمات کو خوب سراہا۔ حضرت قمر بلرامپوری، اطہر فنائی، خلش گونڈوی، قمر گونڈوی، اسرار الہ آبادی وغیرہ کے ساتھ خوب محفلیں جمتی تھیں۔

جوہر صاحب حکیم ہونے کے ساتھ ہی ساتھ وطن کی آزادی کے ایک جانباز سپاہی بھی تھے۔ جن دنوں پنڈت جواہر لال نہرو الہ آباد میں نینی جیل میں قید تھے تو ان کی ہدایت کے مطابق موصوف کا بچپن کا زمانہ یوں گذرا کہ وہ ایک لنگوٹی باندھے خستہ حال فقیر کی شکل میں جیل سے کچھ فاصلہ پر اپنی گودڑ گٹھری لیے ہوئے سرراہ خیمہ زن رہتے اور راہ گیر چند سکے موصوف کے ہاتھوں میں رکھ دیا کرتے تھے مگر دراصل کچھ مخصوص کانگریسی کارندے پیسوں کی جگہ دِن بھر کی کاروائیوں اور حالات کی رپورٹ مڑے تڑے کاغذ کی شکل میں موصوف کو دے جایا کرتے تھے، جسے وہ رات میں مخصوص ذرائع سے پنڈت جی تک پہنچا دیا کرتے تھے۔ یہ بڑے جان جوکھم کا کام تھا لیکن مادرِ وطن کی محبت میں کوئی چیز اس میں رکاوٹ نہ بن سکی۔

بہر حال بعد میں بھارت سرکار نے موصوف کی دلیرانہ خدمات کو سراہتے ہوئے ماہانہ وظیفہ مقرر کیا جو انکی حیات تک قائم رہا۔ موصوف کی بہرائچ کی مقامی سیاست میں بھی دلچسپی رکھتے تھے اور بہرائچ میونسپل بورڈ کے ممبر بھی رہے۔

آپ کو زیارت بیت اللہ شریف کی بڑی حسرت تھی۔ بار ہا اپنی نعتوں میں اس آرزو کا ذکر کیا کرتے تھے۔ ۱۹۸۸ء میں اللہ کے فضل سے مع اہلیہ کے عازم حرم ہوئے۔

حکیم جوہرؔ وارثی مرحوم گونا گوں شخصیت کے مالک اور بے شمار خواص کے حامل تھے، ان کی آواز میں خداداد رعب، وقار اور کشش تھی۔ فن طب، شعر و سخن اور مسلک طریقت کا مثلث تھے۔ زندگی کے مختلف پہلوؤں پر گہری نظر رکھتے تھے۔ حضرت وارث پاک (دیوہ شریف) اور حضرت مسعود غازیؒ (بہرائچ شریف) کے بے حد عقیدت مند اور جاں نثاروں میں تھے۔

موصوف کو زمانۂ طالب علمی میں کھیلوں سے بھی بڑی رغبت رہی اور اپنے دور میں ہاکی کے صوبائی سطح کے بہترین کھلاڑی رہے۔ سرکار کی طرف سے بزرگ کھلاڑیوں کے لیے ماہانہ مالی امداد بھی انہیں ملتی تھی۔ اس کے علاوہ بھی کئی محکموں جیسے اردو اکاڈمی، کھیل ندیشالیہ وغیرہ سے ان کی خدمات کے لیے ماہانہ امداد ملتی رہی۔

ان کے شاگردوں کی ایک طویل فہرست ہے۔ خدا معلوم کتنے لوگ آپ سے مستفید ہوئے۔ ان کے شاگردوں نے اپنے آپ کو شاگرد ہی سمجھا مگر موصوف نے ہمیشہ دوست ہی سمجھا اور دوستانہ طریقوں سے مشورے دیتے رہے اور اصلاح فرماتے رہے۔

ماتھے پہ شام غم کی شفق چھوڑ آئے ہم
دِن بھر کا خوں سے لکھا سبق چھوڑ آئے ہم
آئینِ رسم و راہ پہ جب بحث چھڑ گئی
اُٹھے اور ایک سادہ ورق چھوڑ آئے ہم

حکیم جوہؔر وارثی کے غیر مطبوعہ مجموعوں کی تفصیل مندرجہ ذیل ہے۔

۱) کلیات ابتدائی غزلیں، قصائد، رباعیات، منقبت، سہرے وغیرہ۔
۲) دیوان غزلیں
۳) قومی اتحاد قومی نظمیں
۴) نعتیہ کلام نعتیں، سلام اور قصاید
۵) اصلاحی قطعات قطعات جن کے ذریعہ انسانوں کو اخلاقی اصلاح کی تعلیم دی گئی ہے۔
۶) متفرقات دیگر قسم کا کلام موجود ہے۔
۷) کلام جدید اردو کی روایتی شاعری کو جدید لباس سے آراستہ کر کے پیش کیا گیا ہے۔

مرحوم کے پسماندگان میں تین بیٹے' انشاء اللہ خاں، ماشاء اللہ خاں، سبحان اللہ خاں اور ایک بیٹی جوہر فاطمہ بقید حیات ہیں اور بہرائچ میں مقیم ہیں۔ حکیم جوہؔر بطور شاعر، بطور طبیب اور بطور سماجی کارکن یہاں تک کہ بطور واعظ اپنی خدمات سے ایک عالم کو فیض پہنچاتے رہے۔

بس اس کے سوا کچھ نہیں جوہؔر کی حقیقت شہرت کا سبب یہ ہے کہ بدنام بہت ہے

ماشاءاللہ خاں
۵۶/۱۱۔ باغ آئینہ بی بی
حسین گنج، لکھنؤ، یو. پی.

(2) **من** کہ عبدالمعروف خاں، برادرِ خورد حکیم جوہر وارثی اپنے والدین کی اولادوں میں بہن بھائی ملا کر ہم دس عدد تھے۔ حکیم جوہؔر صاحب پہلی اولاد ہیں اور میں آخری۔ درمیان میں چار بہنیں۔ اپنے بھائی بہنوں میں اب میں اکیلا ہوں۔

میرے والدین کے دادا دادی تقریباً ڈیڑھ سو سال قبل افغانستان سے یہاں

آئے تھے اور یہیں سکونت اختیار کر لی تھی۔میری والدہ نے مجھے یہ باتیں بتائیں۔میری ماں اکثر و بیشتر پشتو زبان استعمال کرتی تھیں۔زیادہ تر لوگ ریاست نانپارہ سے منسلک تھے اور اچھے عہدوں پر تھے۔

عروج وزوال تقریباً سبھی حضرات دیکھتے ہیں، انھوں نے بھی دیکھا۔کچھ گھریلو ناچاقیاں بام پر آئیں مجبوراً بہرائچ چھوڑ ناپڑااور تنہا گونڈہ میں بس گئے پھر یہیں ایک عمر گزار دی۔زندگی کا کیلنڈر پورا ہونے میں ابھی کچھ دن باقی تھے کہ طبیعت خراب ہوئی اور یقین ہو گیا کہ آخری سفر قریب ہے لہٰذا واپس بہرائچ آگئے اور بہرائچ میں ہی والد محترم کے پاس مدفون ہیں۔

شمسؔ لکھنوی نانپارہ میں آبسے تھے اور جوہر صاحب نے ان کی شاگردی اختیار کی تھی۔مولانا محمد علی جوہرؔ کا جب انتقال ہوا تو شمسؔ صاحب نے اپنے پانچ شاگردوں سے کہا کہ 'جوہرؔ' تخلص خالی ہوا ہے، کون اس تخلص کو لینے کی ہمت کرتا ہے۔حکیم جوہرؔ وارثی نے ہاتھ اُٹھایا اس طرح وہ 'جوہرؔ' ہو گئے ورنہ اس سے پہلے وہ رؤفؔ ہی تخلص کرتے تھے۔

ان کے دوستوں میں خمارؔ بارہ بنکوی، مجروحؔ سلطان پوری، کیفیؔ اعظمی، فراقؔ گورکپوری، ساغرؔ، شکیلؔ بدایونی، علی سردار جعفری، فناؔ نظامی، گوہرؔ کانپوری اور بیکلؔ اتساہی صاحبان ہیں۔

آنکھوں میں کوئی آنکھ نہ ڈالے زہر بھرے ہیں دونوں پیالے
چارہ گری کی بات تو جب ہے دِل کا کانٹا کوئی نکالے

عبدالمعروف خاں
برادرِ خورد حکیم جوہرؔ وارثی
۱۲۵/رکاب گنج، نزد مچھلی منڈی
گونڈہ۔۲۷۱۰۰۱

نمونہ کلام

۱

گھبرا کے جب پکارا ہے عصیاں شعار نے آواز دی ہے رحمت پرور دگار نے
دیوانہ کر کے جب نہ خبر لی بہار نے رکھ لی جنوں کی آبرو خود بڑھ کے دار نے
اب آئے بے نقاب وہ، اب آئے بے نقاب کتنوں کی جان لے لی اسی انتظار نے
تقسیم جب ہوئی ہیں ازل میں عبادتیں بادہ کشی پسند کی ہر ہوشیار نے
اک بار جلوہ گاہ میں وہ حادثہ ہوا سو بار توبہ کی نگہِ بیقرار نے
خونِ جگر سے کر کے وضو جو نہیں گیا اُس کو نہ اذنِ سجدہ دیا کوئے یار نے
نظروں سے پی کے قیمتِ مے کے سوال پر ایمان و ہوش بخش دئے بادہ خوار نے
ذوقِ سجود کا تھا تقاضا چلو حرم بڑھنے دیا نہ نقش کفِ پائے یار نے
رازِ درونِ میکدہ سُن سُن کے رند سے بڑھ بڑھ کے پاؤں چومے ہیں ہر ہوشیار نے
ہم سے ملا جو وہ بھی ہمارا سا ہو گیا پارس بنا دیا ہے غمِ ہجرِ یار نے
چاہا ہزار 'سرمدؔ' و 'منصورؔ' نے مگر بے پردہ بات ہونے نہ دی پردہ دار نے
بس میں کسی کے زہد نہ قابو میں معصیت پابند کر لیا ہے ترے اختیار نے

بخشش کی لائیں حشر میں جب رحمتیں نوید
آنکھیں بچھا دیں جوہرؔ عصیاں شعار نے

خانصاحب سے میرا غائبانہ تعارف طنز و مزاح کے اپنے عہد کے ممتاز، معتبر اور منفرد شاعر شوقؔ بہرائچی کے مجوعہ کلام ''طوفان'' کے ذریعہ ہوا تھا۔ تمام شائقین ادب اور پرستاران شوقؔ کی طرح مجھے بھی بے حد مسرت ہوئی تھی کہ انکی کاوش سے شوقؔ بہرائچی جیسے عظیم شاعر کا اچھا خاصہ کلام کتابی شکل میں محفوظ ہو گیا۔ کتاب کا Getup اور طباعت میں بھی شمیم صاحب کا ذوق اور شوق چمکتا ہوا نظر آ رہا تھا۔ مجھے اشتیاق تھا کہ شمیم صاحب سے روبرو ملاقات کا شرف حاصل ہو اور میں انکے تئیں اپنی عقیدت پیش کر سکوں۔

میرے لیے حیرت و مسرت کا مقام تھا کہ کسی رسالہ میں میرا پتہ دیکھ کر وہ خود ہی تلاش کرتے ہوئے میرے گھر تک تشریف لائے۔ اور اپنی انتہائی اعلیٰ ظرفی اور ادب دوستی کا ثبوت فراہم کیا۔ تفصیلی تعارف سے کئی عقدے کھلے اور مجھے مزید حیرت میں ڈال گئے کہ پولیس جیسے سخت محکمہ میں رہکر وہ ادبی طور پر اتنے فعال اور متحرک کیوں کر رہ سکے؟۔ ان کی مختلف موضوعات پر کئی چھوٹی بڑی کتابیں انکی مخلصانہ شخصیت کی تصویر بن کر میرے سامنے تھیں۔

''دبستانِ بہرائچ'' میں بطور مؤلف انھوں نے ''اپنی بات'' تحریر کرتے ہوئے بہرائچ کے شعراء اور ادباء کی سرد مہری کا شکوہ بھی کیا ہے اور بیشتر شعراء خاص طور پر جرول کے قلمکاروں کا مواد دستیاب نہ ہونے پر اظہارِ محرومی بھی کیا ہے اور یقیناً یہ تکلیف دہ احساس ہے۔

کئی برس قبل بہرائچ کے بزرگ ترین شاعر ڈاکٹر عبرتؔ بہرائچی اور مرحوم نعمت بہرائچی نے بھی یہ جوکھم مول لیا تھا اور انھیں بھی اسی قسم کے تجربات سے دوچار ہونا پڑا تھا۔

بہر حال شمیم اقبال خاں صاحب کی یہ کوشش ایک قدم ہے۔ منزل پانے کے لیے انھیں طویل سفر کرنا ہوگا۔ میں ذاتی طور پر بھی کوشش کرونگا اور بہرائچ میں اپنے کرم فرماؤں اور دوستوں سے بھی گذارش کرونگا ادب کے اس عملی کارِ خیر میں جتنا زیادہ سے زیادہ تعاون ممکن ہو سکے اس میں کوتاہی نہ کی جائے تاکہ اس کے بعد آنے والی کتاب میں کسی طرح کی ادبی تشنگی محسوس نہ ہو۔

میں شمیم صاحب کے جذبۂ خلوص، لگن، حوصلے اور عزم کو سلام پیش کرتے ہوئے دعا کرتا ہوں کہ اللہ تبارک و تعالیٰ ان کے ہر خواب کو شرمندہ تعبیر فرمائے اور انھیں اپنے ارادوں میں ثابت قدم رکھے۔ آمین۔

حالانکہ یہ بھی ایک سچائی ہے کہ ۔
''بہت کٹھن ہے ڈگر پنگھٹ کی''

لکھنؤ: ۲۵؍ جون ۲۰۱۳ء

واصفؔ فاروقی

۲

اپنی رو میں کبھی بڑھتا ہے جو ویرانے سے
گرد اُٹھ اُٹھ کے لپٹ جاتی ہے دیوانے سے

مجھ کو تو درد ملا، سوز ملا، داغ ملا
تم نے کیا پایا مرے دِل پہ ستم ڈھانے سے

سب کہو یہ نہ کہو، ترک محبت کیجئے
دِل کی آگ اور بھڑک اُٹھتی ہے سمجھانے سے

دِل کی بربادیوں پر لوگ تمسخر نہ کریں
بستیاں ابھریں گی اک دن اِسی ویرانے سے

گلِ آدم میں ملک دے چکے جس مے کا خمیر
اب وہ حاصل نہیں ہوگی کسی میخانے سے

کتنے لکھے گئے افسانے پہ افسانے مگر
راز ان کا نہیں کھلتا کسی افسانے سے

صرف اپنی سی کئے جایئے یہی عشق نہیں
عشق کرنا ہو جسے سیکھ لے پروانے سے

ابھی صحرا کا ارادہ نہ کریں اہل خرد
پہلے آدابِ جنوں سیکھ لیں دیوانے سے

خرقۂ زہد اتاروں گا تو اس شرط کے ساتھ
جاکے میخانے نہ لوٹوں کبھی میخانے سے

حُسن اور عشق کبھی یوں بھی ملا کرتے ہیں
جیسے دیوانہ کوئی ملتا ہے دیوانے سے

بے تعلق سا رہا دور حیات اے ساقی!
کچھ نہ لایا نہ لیے جاتا ہوں میخانے سے

میں جلا، شمع جلی بزم کے پروانے جلے
آگ سب کے لیے نکلی ترے افسانے سے

جب بھی آجاتا ہے میخانہ میں ذکرِ جوہرؔ
کچھ چھلک جاتی ہے ہر رند کے پیمانے سے

۳

زندگی کا ہر نفس اک مرگ کا ہنگام ہے
تم کہاں بیٹھے ہو آؤ اب تمہارا کام ہے

بیوفائی کس نے کی اور کس کے سر الزام ہے
زندگی خود دے گئی دھوکا اجل بدنام ہے

کیفِ غم کو جوشِ مے سے کیا تعلق ساقیا!
یہ بقید ظرف ہے اور وہ بقید جام ہے

دیکھئے اب کیا دِل ناکام کا انجام ہو
میں نے جس کو دِل دیا ہے اُس کا قاتل نام ہے

چار دِن کی زندگی میں بے رخی اچھی نہیں
آدمی کے کام آنا آدمی کا کام ہے

آئے ہو تو کاندھا دو دیوانہ کی میّت اُٹھے
سوچتے کیا ہو کسی آغاز کا انجام ہے

اژدھام جلوہ ہے میں راہ سے نا آشنا
اے نگاہِ شوق اب ایسے میں تیرا کام ہے

جو یہاں آیا ہے جوہرؔ اُسکو جانا ہے ضرور
ایک ہی آغاز سب کا، ایک ہی انجام ہے

۴

یوں ہی عمر کٹ گئی ہے یوں ہی ہو گیا زمانہ
تری رہگذر میں جانا تری رہگذر سے آنا

مجھے داغ عشق دیکر وہ چلے ہیں منہ چھپا کر
یہ دبی زباں سے کہہ کر کہ یہ شمع تم جلانا

بُری چیز عشق گو ہے، اِسے کون پوچھتا ہے
جسے حسن مل گیا ہے بس اُسی کا ہے زمانہ

دِل مضطرب کا عالم کوئی دور سے نہ سمجھا
ذرا تم قریب آنا، ذرا ہاتھ دل پہ لانا

میں چلا ہوں جب قفس میں اُسے لے اُڑیں ہوائیں
مرے ساتھ ساتھ نکلا مرا اجڑا آشیانہ

شب غم بری بلا ہے یہ جنوں نہیں تو کیا ہے
کبھی شمع کو جلانا کبھی شمع کو بجھانا

کبھی درد میٹھا میٹھا، کبھی دل پہ ضرب پیہم
یہ نظر کا ہے اشارہ کہ نظر کا تازیانہ

غم و جبر کا ہے گھر دِل، یہ مکاں بچائے رکھئے
یہی یاد کا ٹھکانا، یہی درد کا ٹھکانا

یہ ہے چار دِن کی دنیا یہاں تم رہو سنبھل کر
کہ تمہیں بھی جوہرؔ اک دِن ہے خدا کو منہ دکھانا

قطعات

بٹتی ہے وہاں رحمتِ آقائے مدینہ جنت جسے لینا ہو، چلا آئے مدینہ
پوری ہو یوں ہی کاش تمنائے مدینہ موت آئے یہاں، روح پہنچ جائے مدینہ

☆☆☆

الفاظ کو نہ سمجھے ہمارے کوئی حقیر اکثر ہوا ہے، سنگ میں شق چھوڑ آئے ہم
کانٹوں کے درمیان بسر کر کے زندگی باطل پرست لوگوں میں حق چھوڑ آئے ہم

☆☆☆

سمجھتا ہوں کہ صحرا کا دیا ہوں میں جب تک جل رہا ہوں، جل رہا ہوں
حیات و موت دو شہرِ حسیں ہیں میں ان کا درمیانی فاصلہ ہوں

☆☆☆

دِل بضد ہے کہ رہوں زلفِ پریشاں کے قریب سُن لیا ہوگا وہ ملتے ہیں رگِ جاں کے قریب
دِل کو غم دے کے رہو پہلوئے دل میں تم بھی میزباں بیٹھتا ہے ساتھ میں مہماں کے قریب

☆☆☆

ooOoo

محمد انقلاب اشرفی (انقلابؔ)

۱۹۶۲ء

جائے پیدائش: محلہ کبڑیہ ٹولہ، نانپارہ، ضلع بہرائچ، یو. پی.

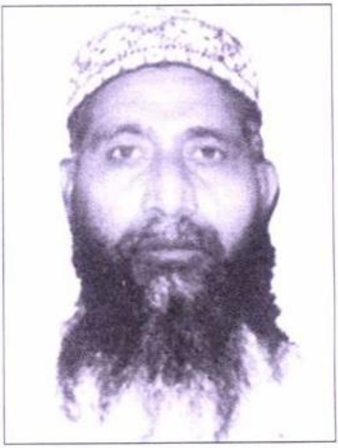

والد: جناب غلام علی صاحب **والدہ:** مرحومہ منیرہ بیگم صاحبہ

تاریخ ولادت: ۳۰؍جنوری ۱۹۶۲ء مطابق: ۲۲؍شعبان ۱۳۸۱ھ

تلمیذ: سید سرفراز زیدی روشنؔ نانپاروی

استاد کا پتہ: محلہ قلعہ، نانپارہ ضلع بہرائچ۔

تعلیم: درجہ آٹھ و دینی تعلیم **مشغلہ:** حکمت و امامت

مکمل پتہ: بازار پرانی پھل منڈی، نانپارہ، بہرائچ، یو. پی.

موبائل: 9452534300

تعارف

میرے والد جناب شیخ غلام علی صاحب شیرینی فروشی کا کام کرتے تھے۔ درجہ آٹھ کے بعد عالمیت کی غرض سے ۱۹۷۵ء میں بریلی شریف گیا لیکن داخلہ نہ ہو سکنے کی وجہ سے مختلف درس گاہوں اور علمائے دین سے علم دین حاصل کرتا رہا۔

مجھے بچپن سے ہی نعت گوئی کا شوق تھا۔ اکثر محفل میلاد اور شب بیداری کے موقعوں پر مسجدوں میں لاؤڈ اسپیکر پر نعت پڑھنے کے لیے عوام کی فرمائش پر شرفِ نعت خوانی حاصل ہوتا۔ رفتہ رفتہ شوق بڑھتا گیا یہاں تک کہ شعر کہنے کا جذبہ پیدا ہو گیا۔ یہ بہت ہی مشکل کام تھا لیکن خدا نے فضل فرمایا کہ نانپارہ میں ادبی نشستوں میں بحیثیت سامع شرکت کرنے لگا اور دس بارہ نشستوں میں حاضری کے بعد شعر گوئی کا قدرے طریقہ آیا۔

ایک مرتبہ بعد نشست شریک شعرا کو آئندہ تاریخ پر ہونے والی نشست کا مصرع طرح ''تجھے اے زندگی ہم دور سے پہچان لیتے ہیں'' دیا گیا۔ اگلی نشست میں میں نے اسی طرح پر کہی ہوئی نعت پڑھی۔ نعت شریف کا یہ شعر ؎

رسول اللہ کا دیکھو جہاں پر ذکر ہوتا ہے
وہاں پر چادرِ رحمت فرشتے تان لیتے ہیں

پڑھا تو شعرا اور سامعین سے کافی داد ملی۔ میری ہمت بڑھی اور پھر وہ وقت بھی آ گیا کہ دیگر شعرا کے ساتھ ساتھ میرے بھی اشعار قومی آواز میں چھپنے لگے۔ ایک محفل مسالمہ سجادیہ امام باڑہ، محلّہ باورچی ٹولہ، نانپارہ میں اس مصرعہ پر ہوئی:

''رقص بسمل کا ذرا ہم بھی تماشہ دیکھیں''

اس محفل مسالمہ میں لکھنؤ، بارہ بنکی، ملیح آباد، گونڈہ، فیض آباد، بہرائچ، نانپارہ کے شعرا نے اپنے اپنے کلام پیش کیے۔ خاکسار نے بھی اپنا کلام سنایا، مقطع پر دھوم مچ گئی وہ یہ ہے ؎

انقلاب آئے گا جب ہوگا ظہور مہدی
اس گھڑی کفر کا نکلے گا جنازہ، دیکھیں

حاصل تحریر یہ ہے کہ شعر گوئی کا جذبہ اپنے کمال پر پہنچا۔ اس سلسلہ میں نعت، منقبت اور غزلوں کے کہنے کے موقعے دستیاب ہوئے کبھی کبھی اصلاحی مدد جناب سید سرفراز زیدی روشنؔ صاحب نانپاروی سے لی، کوئی شعر گوئی کا استاد نہیں رہا جو مستقل طور پر احقر کو راہ شاعری پر چلاتا۔

میرا نام 'انقلاب' پڑنے کی وجہ یہ ہے کہ میں ولادت کے بعد سخت بیمار ہو گیا تھا۔ والد صاحب ڈاکٹر طاہر بیگ صاحب کو میرے علاج کے لیے بلا کر لائے۔ جیسے ہی انھوں نے میری نبض پر ہاتھ رکھا، باہر سے نکلنے والے جلوس کا نعرہ بلند ہوا ''انقلاب زندہ باد''۔ نعرہ سُن کر ڈاکٹر صاحب بولے ''ایک انقلاب آپ کے گھر میں ہے اور دوسرا بازار میں۔ اس کے بعد جب بھی والد صاحب ڈاکٹر کے پاس حال بتانے جاتے، ڈاکٹر صاحب پوچھتے '' آپکا انقلاب کیسا ہے؟'' اور اس طرح سے میرا نام انقلاب پڑ گیا۔

محمد انقلاب اشرفی

نمونہ کلام

۱

بات گر آپ کی نہیں ہوتی مجھ کو اتنی خوشی نہیں ہوتی
میں بھٹکتا رہِ محبت میں جو تری رہبری نہیں ہوتی
روز ملنے کا کیجئے وعدہ دوستی عارضی نہیں ہوتی
روبرو رہتے ہیں مرے لیکن بات ان سے کوئی نہیں ہوتی
کیوں محبت کو تم چھپاتے ہو یہ کبھی بھی چھپی نہیں ہوتی
دردِ الفت ہے ان دواؤں سے درد میں کچھ کمی نہیں ہوتی

دیکھتا ہوں میں انقلابؔ اکثر
بے غرض دوستی نہیں ہوتی

۲

چمن کو میں نے بھی اپنے لہو سے سینچا ہے		یہ ایسا سچ ہے جسے ہر بشر نے دیکھا ہے
جفا نوازوں کا ہر سو چمن میں قبضہ ہے		بہار آئے تو کیسے اسی کا صدمہ ہے
چمن کے پھولوں کی خوشبو جو کچھ میسر ہے		یہ سب بزرگوں کی دانشوری کا صدقہ ہے
ابھی ہے وقت نظامِ چمن بدل دیجے		چمن میں پھول سبھی کے لیے مہکتا ہے
چمن میں دیکھئے میرا بھی حق برابر ہے		ترا ضمیر تجھے یہ نہیں بتاتا ہے
مرے خلاف بہاروں کو روک رکھا ہے		عجیب حال ہے تیرا، عجب تماشہ ہے

پھر انقلابؔ چمن میں ضرور آئیگا
بتا ذرا دلِ ناداں! کبھی یہ سوچا ہے؟

۳

مجھے لاکھ روکیں یہ اہل زمانہ		رہِ عشق سے ہے قدم کب ہٹانا
چراغ محبت جلاتا رہے گا		برا مجھ کو کہتا رہے یہ زمانہ
ہم اہل محبت، محبت کے خاطر		روا رکھتے ہیں بارِ غم کا اُٹھانا
زباں اپنی روکو، زباں اپنی روکو		حقیقت کو ہر گز کہو مت فسانہ
ذرا میرے جانب قریب اور آؤ		چلیں ساتھ ہم دونوں شانہ بشانہ
محبت کی رسی کو مضبوط رکھو		نہیں چل سکے گا کوئی بھی بہانا
رہو مرے ہمراہ تم بھی چمن میں		تبھی لطف دیگا یہ موسم سہانا

یہی چاہتا ہوں میں اے انقلابؔ اب
زباں پر رہے دلربا کا ترانہ

عبدالعلیم خاں (جمال آزر)

۱۹۴۹ء - ۲۰۰۹ء

جائے پیدائش: نانپارہ، ضلع بہرائچ، یو. پی.

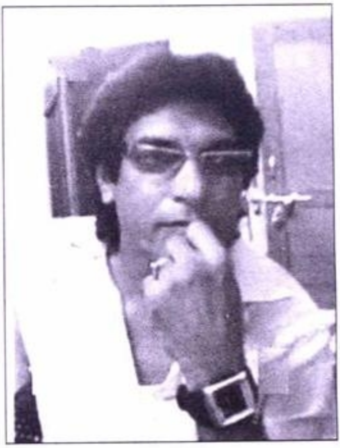

والد: جناب عبدالجبار خاں والدہ: محترمہ زاہدہ بیگم صاحبہ

تاریخ ولادت: ۲۶/جنوری ۱۹۴۹ء مطابق ۲۶/ربیع الاول ۱۳۶۸ھ

تاریخ وفات: ۱۱/نومبر ۲۰۰۹ء مطابق ۲۳/ذی قعد ۱۴۳۰ھ

تلمیذ: جناب اظہار وارثی پتہ: برہمنی پورہ، بہرائچ

تعلیم: بی.اے.ایل.ایل.بی.

بھیجنے والے: جناب شاہنواز خاں **شاعر سے رشتہ:** بھائی

پتہ: کوارٹر ۳۹۶. کے. گرجا کالونی، گونڈہ، یو. پی.

فون: 05262-260380 **موبائل:** 9307595051

تعارف

جمال آذر بہرائچی مشاعروں میں نظامت کے فرائض بحسن وخوبی انجام دیتے رہے ہیں، اردو ادب سے آپ کا گہرا تعلق تھا اور نظامت کے فن میں بے مثال تھے۔ نظامت کے فرائض انجام دیتے ہوئے آپ اپنی پرکشش آواز وانداز بیان کی بدولت دنیائے اردو میں کافی مقبول تھے۔ لامبا قد، بڑھے وسنورے ہوئے بال شاندار لباس کے ساتھ آپ کی پُرکشش آواز مشاعرہ سننے والے ہجوم کو باندھے رکھتی تھی اور مشاعرے کی کامیابی کی ضامن ہوتی تھی۔ کسی بھی شاعر کو اپنا کلام پڑھنے کے لیے بلانے سے پہلے اس شاعر کی خوبیوں کا بیان پُرکشش انداز میں کرنا آپ کی اہم خوبی تھی۔ جمال آزر صاحب خواہ بڑا شاعر ہو یا چھوٹا سب کی ہمت افزائی کرتے تھے۔

شاعر جب اپنا کلام پڑھ لیتا تھا اُس کے بعد شاعر کا کلام سامعین حضرات کو سنا دینا جمال آزر صاحب کی یادداشت کا عمدہ نمونہ تھا۔ آپ نے اپنی زندگی اُردو ادب کی خدمت کے لیے وقف کردی تھی۔

فن نظامت میں ماہر ہونے کے علاوہ آزر صاحب خود شاعر بھی تھے اور انہیں یہ فن خاندانی ورثہ میں ملا تھا۔ نانپارہ کے مقبول ترین شاعر مرحوم ایاز بیگ ایمن چغتائی صاحب آپ کے ماموں تھے۔ انھوں نے اپنی شاعری کا آغاز اپنے ماموں کے مشورہ سخن سے کیا۔ جمال آزر صاحب کی حاضر جوابی اور شاندار گفتگو واندازِ بیان کو دیکھ کر اُن کے بڑے بھائی جناب انور خاں صاحب، جو فلمی آرٹسٹ کے طور پر جانے جاتے تھے، جمال آزر کو بھی کلچرل پروگراموں میں اناؤنسر (نظامت) کی ذمہ داری دیا کرتے تھے۔ جناب انور خاں کی موجودگی میں ہی جمال آزر صاحب نے رویندرالیہ لکھنؤ میں ایک بار ایک بڑے پروگرام، جس کی تعریف آج بھی لوگوں کی زبان سے سنی جاتی ہے، کی بہت ہی خوبصورتی

کے ساتھ نظامت کی تھی۔ پورے پروگرام کے دوران آپ کے پیش کردہ اردو اشعار اور کلمات سے سامعین خوب خوب محظوظ ہوئے تھے۔

جمال آذر صاحب پیشے سے وکیل تو تھے لیکن انھیں وکالت راس نہیں آئی اور وہ اس سے کنارہ کش ہو گئے۔

جو قسمت سے شہِ بطحا کا روضہ دیکھ آیا ہے ہوا چہرہ منور نور سے اس کا جمال آذر
جو شخص اک بار بھی شہر مدینہ دیکھ آیا ہے اسے جنت یقیناً جانی پہچانی لگے گی

جمال آذر نے مشاعروں میں نظامت کے فرائض انجام دیتے ہوئے بیرون ملک میں بھی اپنے وطن کا نام روشن کیا ہے۔ اپنے ماموں جناب ایاز بیگ ایمن چغتائی کے انتقال کے بعد جمال آذر نے جناب اظہار وارثی صاحب کو اپنا استاد تسلیم کرلیا تھا۔

اگرچہ جمال آذر صاحب کی غزلیں، نعتیں ومنقبت نظر میں نہیں آئی ہیں لیکن ان کے نعتیہ قطعات ان کی شاعرانہ صلاحیت کا بہترین نمونہ ہیں۔ جمال آذر کے اشعار میں سادگی، شگفتگی، سنجیدگی و دلکشی پائی جاتی ہے۔ ان کے نعتیہ قطعات میں حضور اقدسؐ سے والہانہ عشق کی جھلک ہے۔ اشعار میں فکر وفن کا خوبصورت توازن اور خیال و بیان کا حسین امتزاج ملتا ہے۔

دلدادہ و عاشق ہیں اس نورِ مجسم کے یہ مہر و مَاہ و انجم، یہ ارض و سما سارے
اوصاف بیان کرنا سرکارِ دو عالم کے کوزے میں سمندر کو بھرنا ہے جمال آذر

☆☆☆

افسوس کہ اس شہرت یافتہ ناظم وشاعر کا کینسر کے موذی مرض میں مبتلا ہو کر نومبر ۲۰۰۹ء میں انتقال ہو گیا، لیکن ان کے یادیں آج بھی انکے چاہنے والوں کے دلوں میں زندہ ہیں۔

شاہ نواز خاں

کوارٹر ۳۹۶. کے. گرجا کالونی، گونڈہ، یو. پی.